نجات کا راستہ

تحریر:
محمد نجم مصطفائی

ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامیہ حنفیہ

انتساب

اسلام دشمن یہود و نصاریٰ ابتدائے اسلام ہی سے اپنے بغض وحسد کی آگ کو بجھانے کیلئے اُمتِ مسلمہ کی بلند پایہ ہستیوں کے درمیان انتشار برپا کرتے ہیں ان کی روزِ اوّل سے یہ کوشش رہی کہ کسی طرح مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے۔ ان کے اس ناپاک مقاصد میں ایک مقصد صحابہ کرام اور اہل بیت کے درمیان جھوٹے افسانے گھڑ کر باہمی اختلافات کو ہوا دینا تھا تاکہ مسلمانوں کی یکجہتی پارہ پارہ ہو جائے۔ وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔

میں اپنی اس تحریر کا ثواب ان مسلمانوں کے مرحومین کو ایصال کرتا ہوں جو مذکورہ حقائق کو غیر جانبدارانہ طور پر جاننا چاہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجات کا راستہ

کسی زمانے میں بغداد میں جنید نامی ایک پہلوان رہا کرتا تھا۔ پورے بغداد میں اس پہلوان کے مقابلے کا کوئی نہ تھا۔ بڑے سے بڑا پہلوان بھی اس کے سامنے زیر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی اس کے سامنے نظر ملا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ شاہی دربار میں اس کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور بادشاہ کی نظر میں اس کا خاص مقام تھا۔

ایکدن جنید پہلوان بادشاہ کے دربار میں اراکین سلطنت کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ شاہی محل کے صدر دروازے پر کسی نے دستک دی خادم نے آکر بادشاہ کو بتایا کہ ایک کمزور و ناتواں شخص دروازے پر کھڑا ہے جس کا بوسیدہ لباس ہے۔ کمزوری کا یہ عالم ہے کہ زمین پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا ہے۔ اس نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ جنید کو میرا پیغام پہنچا دو کہ وہ کشتی میں میرا چیلنج قبول کرے۔ بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ اسے دربار میں پیش کرو۔ اجنبی ڈگمگاتے پیروں سے دربار میں حاضر ہوا۔ وزیر نے اجنبی سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ اجنبی نے جواب دیا میں جنید پہلوان سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا چھوٹا منہ بڑی بات نہ کرو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جنید کا نام سن کر بڑے بڑے پہلوانوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ پورے شہر میں اس کے مقابلے کا کوئی نہیں اور تم جیسے کمزور شخص کا جنید سے کشتی لڑنا تمہاری ہلاکت کا سبب بھی ہوسکتا ہے۔ اجنبی نے کہا کہ جنید پہلوان کی شہرت ہی مجھے یہاں کھینچ کر لائی ہے اور میں آپ پر یہ ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ جنید کو شکست دینا ممکن ہے۔ میں اپنا انجام جانتا ہوں آپ اس بحث میں نہ پڑیں بلکہ میرے چیلنج کو قبول کیا جائے یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ شکست کس کا مقدر ہوتی ہے۔

جنید پہلوان بڑی حیرت سے آنے والے اجنبی کی باتیں سن رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا اگر سمجھانے کے باوجود یہ بضد ہے تو اپنے انجام کا یہ خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس کا چیلنج قبول کرلیا جائے۔ بادشاہ کا حکم ہوا اور کچھ ہی دیر کے بعد تاریخ اور جگہ کا اعلان کردیا گیا اور پورے بغداد میں اس چیلنج کا تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اس مقابلے کو دیکھے۔ تاریخ جوں جوں قریب آتی گئی لوگوں کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ ان کا اشتیاق اس وجہ سے تھا کہ آج تک انہوں نے تنکے اور پہاڑ کا مقابلہ نہیں دیکھا تھا۔ دور دراز ملکوں سے بھی سیاح یہ مقابلہ دیکھنے کیلئے آنے لگے۔ جنید کیلئے یہ مقابلہ بہت پُر اسرار تھا اور اس پر ایک انجانی سی ہیبت طاری ہونے لگی۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر شہر بغداد میں اُمنڈ آیا تھا۔

جنید پہلوان کی ملک گیر شہرت کسی تعارف کی محتاج نہ تھی۔ اپنے وقت کا مانا ہوا پہلوان آج ایک کمزور اور ناتواں انسان سے مقابلے کیلئے میدان میں اُتر رہا تھا۔ اکھاڑے کے اطراف لاکھوں انسانوں کا ہجوم اس مقابلے کو دیکھنے آیا ہوا تھا۔ بادشاہِ وقت اپنے سلطنت کے اراکین کے ہمراہ اپنی کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جنید پہلوان بھی بادشاہ کے ہمراہ آ گیا تھا۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس پُراسرار شخص پر لگی ہوئی تھیں جس نے جنید جیسے نامور پہلوان کو چیلنج دے کر پوری سلطنت میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ مجمع کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اجنبی مقابلے کیلئے آئے گا پھر بھی لوگ شدت سے اس کا انتظار کرنے لگے۔ جنید پہلوان میدان میں اُتر چکا تھا۔ اس کے حامی لحہ بہ لحہ نعرے لگا کر حوصلہ بلند کر رہے تھے کہ اچانک وہ اجنبی لوگوں کی صفوں کو چیرتا ہوا اکھاڑے میں پہنچ گیا۔ ہر شخص اس کمزور اور ناتواں شخص کو دیکھ کر محوِ حیرت میں پڑ گیا کہ جو شخص جنید کی ایک پھونک سے اُڑ جائے اس سے مقابلہ دانشمندی نہیں لیکن اس کے باوجود سارا مجمع دھڑکتے دل کے ساتھ اس کشتی کو دیکھنے لگا۔ کشتی کا آغاز ہوا، دونوں آمنے سامنے ہوئے۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گئے۔ پنجہ آزمائی شروع ہوئی اس سے پہلے کہ جنید کوئی داؤ لگا کر اجنبی کو زیر کرتے اجنبی نے آہستہ سے جنید سے کہا اے جنید ذرا اپنے کان میرے قریب لاؤ، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اجنبی کی باتیں سن کر جنید قریب ہوا اور کہا کہو کیا چاہتے ہو۔

اجنبی بولا اے جنید میں کوئی پہلوان نہیں ہوں۔ زمانے کا ستایا ہوا ہوں۔ میں آلِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوں۔ سیّد گھرانے سے میرا تعلق ہے میرا ایک چھوٹا سا کنبہ کئی ہفتوں سے فاقوں میں مبتلا جنگل میں پڑا ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے شدتِ بھوک سے بے جان ہو چکے ہیں۔ خاندانی غیرت کسی سے دستِ سوال نہیں کرنے دیتی۔ سیّد زادیوں کے جسم پر کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میں نے اس اُمید پر تمہیں کشتی کا چیلنج دیا ہے کہ تمہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھرانے سے عقیدت ہے۔ آج خاندانِ نبوت کی لاج رکھ لیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج اگر تم نے میری لاج رکھی تو کل میدانِ محشر میں اپنے نانا جان سے عرض کر کے فتح و کامرانی کا تاج تمہارے سر پر رکھواؤں گا۔ تمہاری ملک گیر شہرت اور اعزاز کی ایک قربانی خاندانِ نبوت کے سوکھے ہوئے چہروں کی شادابی کیلئے کافی ہوگی۔ تمہاری یہ قربانی کبھی بھی ضائع نہیں ہونے دی جائے گی۔

اجنبی شخص کے یہ چند جملے جنید پہلوان کے جگر میں اُتر گئے۔ اس کا دل گھائل اور آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ سیّد زادے کی اس پیش کش کو فوراً قبول کر لیا اور اپنی عالمگیر شہرت، عزت وعظمت آلِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر قربان کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی۔ فوراً فیصلہ کر لیا کہ اس سے بڑھ کر میری عزت و ناموس کا اور کون سا موقع ہو سکتا ہے کہ دنیا کی اس محدود عزت کو خاندانِ نبوت کی اڑتی ہوئی خاک پر قربان کر دوں۔ اگر سیّد گھرانے کی مرجھائی ہوئی کلیوں کی شادابی کیلئے میرے جسم کا خون کام آسکتا ہے جو جسم کا ایک ایک قطرہ تمہاری خوشحالی کیلئے دینے کیلئے تیار ہوں۔ جنید فیصلہ دے چکا۔ اس کے جسم کی توانائی اب سلب ہو چکی تھی۔ اجنبی شخص سے پنجہ آزمائی کا ظاہری مظاہرہ شروع کر دیا۔

کشتی لڑنے کا انداز جاری تھا۔ پینترے بدلے جارہے تھے کہ اچانک جنید نے ایک داؤ لگایا۔ پورا مجمع جنید کے حق میں نعرے لگا تار ہا جوش وخروش بڑھتا گیا جنید داؤ کے جوہر دکھاتا تو مجمع نعروں سے گونج اُٹھتا۔ دونوں باہم گتھم گتھا ہو گئے یکا یک لوگوں کی پلکیں جھپکیں، دھڑکتے دل کیساتھ آنکھیں کھلیں تو ایک ناقابلِ یقین منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جنید چاروں شانے چت پڑا تھا اور خاندانِ نبوت کا شہزادہ سینے پر بیٹھے فتح کا پرچم بلند کر رہا تھا۔ پورے مجمع پر سکتہ طاری ہو چکا تھا۔ حیرت کا طلسم ٹوٹا اور پورے مجمع نے سیّد زادے کو گود میں اُٹھا لیا۔ میدان کا فاتح لوگوں کے سروں پر سے گزر رہا تھا۔ ہر طرف انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی۔ خاندانِ نبوت کا یہ شہزادہ بیش بہا قیمتی انعامات لے کر اپنی پناہ گاہ کی طرف چل دیا۔

اس شکست سے جنید کا وقار لوگوں کے دِلوں سے ختم ہو چکا تھا۔ ہر شخص انہیں حقارت سے دیکھتا گزر رہا تھا۔ زندگی بھر لوگوں کے دلوں پر سکہ جمانے والا آج انہی لوگوں کے طعنوں کو سن رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جنید اپنے بستر پر لیٹا اس کے کانوں میں سیّد زادے کے وہ الفاظ بار بار گونجتے رہے، آج میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم نے میری لاج رکھی تو کل میدانِ محشر میں اپنے نانا جان سے عرض کر کے فتح وکامرانی کا تاج تمہارے سر پر رکھواؤں گا۔

جنید سوچتا کیا واقعی ایسا ہوگا کیا مجھے یہ شرف حاصل ہوگا کہ حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں سے یہ تاج میں پہنوں؟ نہیں نہیں میں اس قابل نہیں۔ لیکن خاندانِ نبوت کے شہزادے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ آلِ رسول کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا۔ یہ سوچتے سوچتے جنید نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ نیند میں پہنچتے ہی دنیا کے حجابات نگاہوں کے سامنے سے اُٹھ چکے تھے ایک حسین خواب نگاہوں کے سامنے تھا اور گنبدِ خضرا کا سبز گنبد نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوا، جس سے ہر سمت روشنی بکھرنے لگی، ایک نورانی ہستی جلوہ فرما ہوئی، جن کے حسن و جمال سے جنید کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، دل کیف و سرور میں ڈوب گیا، در و دیوار سے آوازیں آنے لگیں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ جنید سمجھ گئے یہ تو میرے آقا ہیں جن کا میں کلمہ پڑھتا ہوں فوراً قدموں سے لپٹ گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جنید اُٹھو قیامت سے پہلے اپنی قسمت کی سرفرازی کا نظارہ کرو نبی زادوں کے ناموس کیلئے شکست کی ذلتوں کا انعام قیامت تک قرض رکھا نہیں جائے گا۔ سر اُٹھاؤ تمہارے لئے فتح و کامرانی کی دستار لے کر آیا ہوں۔ آج سے تمہیں عرفان و تقرب کے سب سے اونچے مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ تمہیں اولیاء کرام کی سروری کا اعزاز مبارک ہو۔

ان کلمات کے بعد حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنید پہلوان کو سینے سے لگایا اور اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالتِ خواب میں جنید کو کیا کچھ عطا کیا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اتنا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ جب جنید نیند سے بیدار ہوئے تو ساری کائنات چمکتے ہوئے آئینے کی طرح ان کی نگاہوں میں آگئی تھی ہر ایک کے دل جنید کے قدموں پر نثار ہو چکے تھے۔ بادشاہِ وقت نے اپنا قیمتی تاج سر سے اُتار کر ان کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔ بغداد کا یہ پہلوان آج سیّدالطائفہ سیّدنا حضرت جنید بغدادی کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہو چکا تھا۔ ساری کائنات کے دل ان کیلئے جھک گئے تھے۔

(تاریخی واقعہ کی تفصیل ملاحظہ کیجئے کتاب زلف و زنجیر، صفحہ ۶۲-۶۷)

مسلمانو! اس سچے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خاندانِ نبوت اہل بیت وآلِ رسول سے محبت کرنا اوران کی عزت وناموس کا خیال رکھنا ایک مسلمان کیلئے کس قدر ضروری ہے۔ اہل بیت سے محبت ایمان اوران سے بغض وحسد منافقت اور گمراہی ہے۔ اسلام نے ہمیں جو تعلیم دی ہے اس میں خاندانِ نبوت اہل بیت سے محبت کا خصوصی ذکر ہے۔ اہل بیت کا مقام ومرتبہ کس قدر بلند ہے اس کا اندازہ قرآن مجید کے ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (سورۃ احزاب:۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے۔

اس آیتِ کریمہ میں اہل بیت (حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھرانے) کی فضیلت بیان کی گئی ہے علماء فرماتے ہیں کہ اہل بیت میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے علاوہ خاتونِ جنت بی بی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سب داخل ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ، ہے اپنی اولاد کو تین عادتیں سکھاؤ: اپنے نبی کی محبت، اس کے اہل کی محبت اور تلاوتِ قرآن۔ (ملاحظہ کیجئے جامع صغیر، جلد اوّل صفحہ ۵۱۷۔ جواہر البحار، جلد دوم صفحہ ۱۳۰)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، مجھ سے محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(سنن الترمذی، جلد پنجم صفحہ ۶۲۲)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اہل بیت سے ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(الفردوس الماثور الخطاب، جلد دوم صفحہ ۱۴۲)

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا، جو شخص مجھے محبوب رکھے ان دونوں کو محبوب رکھے ان کے والد اور والدہ کو محبوب رکھے وہ یوم قیامت میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔ (مسند احمد، جلد اوّل صفحہ ۱۶۸)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کوئی بھی اہل بیت سے بغض رکھے اللہ اس کو ضرور جہنم میں داخل کرے گا۔ (المستدرک، جلد سوم صفحہ ۱۶۱)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے اہل بیت کی عظمت اور ان کے بلند مرتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اگر ہم اپنی معاشرتی زندگی پر غور کریں تو ہم میں یہ بات اکثر پائی جاتی ہے کہ جب ہم کسی شخص کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ بھائی اس کی عزت کرو یہ بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ بظاہر تو یہ عزت بیٹے کی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں یہ تعظیم اس کے باپ کی ہے۔ تعظیم کا یہ طریقہ خود ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔

جب حاتم طائی کی بیٹی قیدی بنا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس کو چھوڑ دو اس کا باپ اخلاقی خوبیوں کو پسند کرتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر، جلد ۵ صفحہ ۶۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو پوشاک پہنائی، خرچہ دیا، سواری پر بٹھایا اور اس کی قوم کے لوگوں کو رہا کر کے ان کے ساتھ بھجوا دیا۔

غور کیجئے! بیٹی کی تعظیم کا فر باپ کی سخاوت کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ عزت و تعظیم کا یہ سلسلہ بظاہر بیٹی کے ساتھ نظر آ رہا ہے لیکن حقیقت میں تعظیم اس کے باپ حاتم طائی کی ہو رہی ہے۔ لہٰذا اہل بیت کی تعظیم کرنا دراصل حضور ہی کی تعظیم و توقیر کرنا ہے۔ کیونکہ خاندانِ نبوت کے یہ چشم و چراغ ہیں۔ چنانچہ یہ تعظیم 'پنجتن پاک' ہی تک محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ قیامت تک حضور کی تمام آل کیلئے بھی ہونی چاہئے۔ آلِ رسول کی تعظیم حضور کی نسبت کی وجہ سے ہے' نہ کہ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی وجہ سے۔ ان کی تعظیم مسلمانوں کیلئے کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ حسبِ ذیل ارشاد سے لگایئے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے، تم میں سب سے زیادہ پلِ صراط پر ثابت قدم وہ ہوگا جو میرے اہل بیت اور میرے صحابہ کی محبت میں زیادہ سخت ہوگا۔

مذکورہ بالا حدیث میں اہل بیت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی فضیلت بھی بتائی گئی ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ اہل بیت اور صحابہ کرام کی سچی محبت ہی ذریعۂ نجات اور پلِ صراط پر سے باآسانی گزرنے کا ذریعہ ہے اگر کوئی ان کی محبت میں کامل نہیں تو اس کیلئے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ مذکورہ ارشاد میں صحابہ کرام اور اہل بیت سے محبت کا حکم موجود ہے۔ خاندانِ نبوت اور صحابہ کرام وہ عظیم اور قابل احترام ہستیاں ہیں کہ جنھوں نے اپنا خون اسلام کی آبیاری کیلئے وقف کر دیا تھا۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کا باہمی تعلق

صحابہ کرام اہل بیت سے اور اہل بیت صحابہ کرام سے بے حد محبت کیا کرتے بالخصوص چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالی عنہم اور اہل بیت اس قدر مضبوط و مستحکم، خاندانی و ایمانی رشتوں میں بندھے ہوئے تھے کہ اس تعلق کو کوئی بھی ایک دوسرے سے ختم نہیں کرسکا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور خلیفہ دوم سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ حضور سرورِ انبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سسر ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں۔ خلیفہ سوم سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے داماد ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت رُقیہ رضی اللہ تعالی عنہا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں آئیں اور خاتونِ جنت سیّدہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالی عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے نکاح میں آئیں۔

سبحان اللہ! کیا عالی شان تقسیم ہے کہ دو خلفاء حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سسر اور دو خلفاء داماد ہیں۔ جب اُم المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سسر ہوئے اس طرح حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بھائی اور حضرت ابوسفیان کے بیٹے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بہنوئی ہوئے۔ اُم المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا مومنوں کی ماں تو ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ مومنوں کے ماموں جان ہوئے۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت رُقیہ رضی اللہ تعالی عنہا چونکہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بہنیں تھیں لہٰذا حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہما کی خالہ ہوئیں اور سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ خالو جان ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا چونکہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہما کے نانا حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں تو یہ تینوں مقدس خاتون حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہما کی نانیاں ہوئیں۔

سبحان اللہ! غور کیجئے صحابہ کرام اور اہل بیت کو اللہ تعالیٰ نے کتنی گہری وابستگی عطا فرمائی ہے۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی اور پیغمبر اسلام کی حقیقی نواسی ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش تھی کہ ان کی خاندانِ نبوت سے رشتہ داری قائم ہو جائے چنانچہ آپ نے اپنی اس خواہش کا اظہار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کی اس درخواست کو قبول فرمالیا اور اپنی صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سسر تھے اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش دامن تھیں اور سیّدنا حضرت امام حسن اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آپ بہنوئی ہوئے۔

مسلمانو! سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندانِ اہل بیت سے رشتہ کرنے کیلئے خواہشمند ہونا اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ ان کے دل میں خاندان اہل بیت کا بڑا ادب اور اعلیٰ مقام تھا۔ ان کی نگاہ میں خاندان اہل بیت سے رشتے داری کرنا باعثِ سعادت تھا۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتہائی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر زیادہ تھی مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کم عمر بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا۔ یہ واقعہ ان اسلام دشمن قوتوں کیلئے عبرت کا تازیانہ ہے جو بظاہر اہل بیت سے اپنی محبت کا ظاہری دم بھرتے ہیں اور جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس میں گستاخی کر کے اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں اور نعوذ باللہ انہیں ظالم، غاصب، مرتد اور بے دین کہہ کر اپنے اعمال کو سیاہ اور داغدار کرتے ہیں۔ کوئی ان ظالموں سے پوچھے اے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی کرنے والو! تمہارا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جنہوں نے بقول تمہارے ایک غاصب، ظالم اور مرتد سے اپنی کمسن صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ ذرا سوچئے اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم ہوتے تو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی انہیں دیتے؟ ہرگز نہیں۔

مسلمانو! ابتدائے اسلام ہی سے اسلام دشمن قوتوں نے مسلمانوں کے ذہنوں کو خراب کرنے کیلئے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مابین اختلاف کو اُبھارا تاکہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کو انتشار کا شکار کر دیا جائے۔ان کی یہ کوشش ہوتی کہ جماعتِ صحابہ کی کوئی ایسی بات پکڑی جائے جسے اہل بیت کے خلاف اُبھارا جا سکے اور اس طرح اہل بیت کی محبت ظاہر کر کے صحابہ کرام کی توہین کی جا سکے۔آج بھی یہود و نصاریٰ کے آلہ کار اس ناپاک سازش میں مصروف ہیں اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کر کے اپنے بغض و حسد کی آگ کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔حالانکہ صحابہ کرام اور اہل بیت میں کسی نوعیت کا کوئی ذاتی اختلاف نہ تھا۔وہ تو ایک دوسرے سے رشتے داریاں کرتے گویا قدرت نے انہیں ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔صحابہ کرام اور اہل بیت کے مقام و مرتبے کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ان مقدس ہستیوں کی سیرت کے چند پہلو آپ کے گوش گزار کرتا ہوں تاکہ ان کی ایمان افروز سیرت کو پڑھ کر ہمارے ایمانوں کو پختگی اور قلب و نظر کو سرور حاصل ہو سکے۔

خلیفہ اوّل سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفہ اوّل جانشین رسول امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبداللہ لقب صدیق اور ابو بکر آپ کی کنیت ہے آپ کے والد کا نام ابوقحافہ اور آپ کی والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ ہے۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تقریباً دو سال چھوٹے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب ساتویں پشت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ کے فضائل اور کمالات انبیاء کرام کے بعد تمام اگلے اور پچھلے انسانوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ آپ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ زمانہ جاہلیت میں بھی قوم میں معزز تھے۔ آپ نے زمانہ جاہلیت میں نہ کبھی بت پرستی کی اور نہ ہی کبھی شراب پی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ تمام اسلامی جہادوں میں شامل رہے اور زندگی کے ہر موڑ پر آپ شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر بن کر آپ کے رفیق و جان نثار رہے۔ ہجرت کے موقع پر آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رفیق سفر اور یارِ غار بھی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس میں بہت سی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں۔ آپ کا ایمان تمام صحابہ میں سب سے کامل تھا۔ آپ کو بچپن ہی سے بت پرستی سے نفرت تھی۔ آپ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد ابوقحافہ (جو بعد میں اسلام لے آئے تھے) آپ کو بت خانے لے گئے اور بتوں کو دیکھ کر کہنے لگے بیٹا یہ تمہارے خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ یہ کہہ ان کے والد بت خانے سے باہر چلے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بت کے قریب گئے اور بت کو مخاطب کر کے کہنے لگے میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے' بت کچھ نہ بولا۔ پھر کہا میں برہنہ ہوں مجھے کپڑے دے' بت خاموش رہا۔ پھر آپ نے ایک پتھر اُٹھایا اور بت سے کہا میں تجھے پتھر مارتا ہوں اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ بت چپ رہا۔ آخر آپ نے زور سے اسے پتھر مارا اور وہ بت اوندھے منہ نیچے آگرا۔ اسی وقت آپ کے والد بھی بت خانے میں آگئے۔ انہوں نے جب بت کو اوندھے منہ گرے ہوئے دیکھا تو بیٹے سے کہا یہ تم نے کیا کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے والد غصے میں انہیں گھر لے آئے اور ان کی والدہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا اس بچے کو کچھ نہ کہو کیونکہ جس رات یہ بچہ پیدا ہوا اسوقت میرے پاس کوئی بھی موجود نہ تھا، میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے اے اللہ کی بندی! تجھے خوشخبری ہو اس بچے کی جس کا نام آسمانوں پر صدیق ہے اور جو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا یار اور رفیق ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لوگوں میں سب سے بہتر ہیں علاوہ اس کے کہ وہ نبی نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمت میں سب سے افضل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت کے دن تین کرسیاں خالص سونے کی بنا کر رکھی جائینگی اور ان کی شعاعوں سے لوگوں کی نگاہیں چندھیا جائیں گی۔ ایک کرسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام جلوہ فرما ہوں گے، دوسری پر میں بیٹھوں گا اور ایک خالی رہے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا جائے گا اور اس پر بٹھائیں گے۔ ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ آج صدیق اللہ کے حبیب اور خلیل کے ساتھ بیٹھا ہے۔
(شرف النبی امام ابو سعید نیشاپوری، صفحہ ۲۷۹)

سبحان اللہ! روزِ محشر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور شان و شوکت کے پھریرے لہرا رہے ہوں گے۔ لوگ ان کے مقام و مرتبے کو دیکھ کر رشک کر رہے ہوں گے۔ حورانِ جنت ان کی عظمت کے ترانے گا رہی ہوں گی۔

ابو داؤد میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے ابو بکر! سن لو میری اُمت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔ (ابو داؤد)

ترمذی شریف میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ احسان کیا تھا میں نے ہر ایک کا احسان اُتار دیا علاوہ ابو بکر کے۔ انہوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ (ترمذی شریف)

مسلمانو! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام تمام صحابہ میں سب سے افضل ہے کوئی صحابی ان سے بڑھ کر فضیلت والا نہیں۔ یوں تو آپ کے فضائل بے شمار ہیں جن کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں مگر چار خوبیاں آپ میں ایسی ہیں جو کسی بھی صحابی میں نہیں۔ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار ایسی خوبیوں سے سرفراز فرمایا جن سے کسی کو سرفراز نہیں کیا۔ اوّل آپ کا نام صدیق رکھا اور کسی دوسرے کا نام صدیق نہیں۔ دوئم آپ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیساتھ غارِ ثور میں رہے۔ سوئم آپ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت میں رفیق سفر رہے۔ چہارم حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ آپ صحابہ کرام کو نماز پڑھائیں تاکہ دوسرے لوگوں کے آپ امام اور وہ آپ کے مقتدی بنیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد مسلمانوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمانوں کا خلیفہ کسے بنایا جائے۔ بیہقی شریف میں ہے کہ خلافت کے اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے صحابہ کرام حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانے پر جمع ہوئے اور متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کردیا۔ تمام مہاجر و انصار صحابہ نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے مجمع پر نظر ڈالی تو اس مجمع میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر اور چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں صحابہ کو بلوایا اور آپ نے فرمایا کہ آپ حضور کے خاص صحابیوں میں سے ہیں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ سن کر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے خلیفۂ رسول آپ ہرگز فکر نہ کریں اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی جواب دیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ (تاریخ الخلفاء)

مسلمانو! سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سال تین ماہ کی خلافت رہی۔ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں کی۔ آپ کا دور اسلامی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ آپ نے اپنے منصب کا کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے ہی اسلام دشمن یہود و نصاریٰ اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے۔ وہ اس تاک میں لگے رہے کہ کوئی ایسی کمزوری ہاتھ لگے جو مسلمانوں میں اختلاف کا سبب بن جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اسلام دشمن قوتوں نے اہل بیت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان نفرت پیدا کرنا چاہی اور یہ الزام لگایا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں چھوڑے ہوئے باغ فدک کو غصب کرلیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیا۔ اسلام دشمن قوتوں کا یہ اعتراض دراصل مسلمانوں میں انتشار برپا کرنے کیلئے ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کے مال و اسباب کو حقیر سمجھتی تھیں اور دنیا کے اسباب کی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ تو اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دینے والی تھیں۔ باغ فدک سے متعلق اسلام دشمن قوتوں کے اعتراض کا جواب یہاں صرف اسلئے دیا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا جاسکے۔ اسلام دشمن قوتوں کے اس اعتراض کی روشنی میں پہلے یہ جاننا ہوگا کہ 'باغ فدک' کیا ہے تاکہ اس اعتراض کے صحیح اور غلط کا اندازہ ہوسکے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر خیبر کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام فدک ہے اس گاؤں پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر فتح کرنے کے بعد جب لشکر اسلام کے ہمراہ واپس آرہے تھے تو راستے میں اہل فدک کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے حضور نے محیصہ بن مسعود انصاری صحابی کو تبلیغ کیلئے بھیجا۔ یہودیوں نے صلح کے طور پر فدک کی آدھی زمین مسلمانوں کو دیدی اس وقت یہ باغ اسلامی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ یہ باغ کھجور کی پیداوار، ٹھنڈے پانی کے چشمے اور اناج وغیرہ کیلئے مشہور تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی آمدنی اہل بیت اور مسافروں پر خرچ کرتے، ایک حصہ ازواجِ مطہرات کیلئے سال میں استعمال کیلئے دیتے اور جو رقم بچ جاتی اسے غریب و ناداروں میں تقسیم فرمادیتے۔

مسلمانو! بعض اسلام دشمن قوتیں علم سے ناآشنا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے یہ پروپیگنڈہ کرتی ہیں کہ سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں باغ فدک پر قبضہ کرلیا اور اس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث کو ان کے وارث اہل بیت کو نہیں دیا۔ حضور کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد مکرم کی میراث کا مطالبہ کیا اور کہنے لگیں کہ فدک تو ہمارا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں دے کر گئے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فدک دینے سے منع کردیا۔ اس طرح خاتونِ جنت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے شدید ناراض ہوئیں اور جیتے جی ان سے گفتگو نہیں کی اور جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے یہ وصیت کی کہ میرے جنازے میں ابوبکر کو شریک نہ کیا جائے۔ اس طرح ابوبکر نے حضور کی لاڈلی بیٹی کو ناراض کیا اور ان کو اذیت دی۔ حضور کا تو یہ فرمان ہے کہ فاطمہ کی اذیت سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے۔ لہٰذا ابوبکر نے بی بی فاطمہ کو ہی ناراض نہیں کیا بلکہ پیغمبر اسلام کو بھی ناراض کردیا۔

یہ وہ اعتراض ہے جسے اسلام دشمن قوتوں نے اُٹھایا تھا جسے آج بھی ان کے آلہ کار اُٹھاتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

یاد رکھئے! انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار اور دُنیا کی جائیداد ہرگز نہیں ہوتی بلکہ ان کی وراثت شریعت کا علم ہے۔ انبیاء دنیا میں نہ کوئی جائیداد چھوڑتے ہیں اور نہ اس کا کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں۔ جو کچھ بھی وہ دنیا میں چھوڑتے ہیں سب صدقہ کرجاتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہم گروہِ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔ (ملاحظہ کیجئے مسلم شریف، بخاری شریف، مشکوٰۃ، صفحہ ۵۰۰)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضور کی ازواجِ مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروالیں تو اس موقع پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، کیا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ (مسلم شریف، جلد دوم صفحہ ۹۱)

معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چھوڑا ہوا مال اہل خانہ کیلئے جائز نہیں کیونکہ وہ مال صدقہ ہے۔ اگر وہ مال جائز ہوتا تو جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا پھر اس کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو باغ فدک ان کے اختیار میں بھی رہا مگر ان میں سے کسی نے بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد کو باغ فدک میں سے حصہ نہیں دیا۔ جس سے یہ واضح ہوگیا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت نہیں اور اہل بیت کیلئے اس کا حصہ لینا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو باغِ فدک نہیں دیا کیونکہ ان کیلئے وہ جائز نہیں۔ لہٰذا جو لوگ باغ فدک کے واقعہ کو آڑ بنا کر سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غاصب کہتے ہیں وہ خود غاصب جھوٹے اور صحابی کی شان میں توہین کرنے والے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو ایسے باطل اور غلط نظریات رکھنے والے گمراہوں سے دُور رہنا چاہئے۔

مسلمانو! علماء فرماتے ہیں کہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک کا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مطالبہ کیا تو اس موقع پر سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنایا۔ وہ ارشاد کیا ہے۔ آیئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس حقیقت کو سنئے۔ امام بخاری 'بخاری شریف' میں اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور حضور کی میراث کا مطالبہ کیا تو جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، 'ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے'۔ بخدا میں حضور کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ جس طرح وہ عہدِ نبوت میں تھے ویسے ہی رہیں گے اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں زیادہ یہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ (بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۵۲۶)

مسلمانو! سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد پر غور فرمایئے اور ذرا بتایئے کہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باغ فدک کے مطالبہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو جواب دیا کیا وہ قابل اعتراض ہے؟ کیا اس جواب میں بے ادبی کا شائبہ پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ ذرا اس بات پر بھی غور کیجئے کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باغ فدک کا مطالبہ کس حیثیت سے کیا۔ اگر کوئی یہ کہے یہ مطالبہ حضور کے انتقال کے بعد بحیثیتِ وراثت کے کیا تھا تو یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وراثت تو مُردے کی تقسیم ہوتی ہے۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نعوذ باللہ حضور کو مُردہ سمجھتی تھیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انبیاء بعدِ انتقال بھی زندہ ہوتے ہیں۔

یاد رکھئے! ذاتی جائیداد وہ ہے جو کسی کو وِرثے میں ملے یا جس نے دن رات محنت مزدوری کر کے اس جائیداد کو خریدا ہو۔ باغ فدک حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تو ورثے میں ملا اور نہ ہی آپ نے مال و دولت جمع کر کے اسے خریدا۔ آپ نے دنیوی دولت جمع نہیں کی بلکہ علم کی دولت لے کر آئے اور علمی وراثت عطا فرما کر دنیا سے تشریف لے گئے۔

علامہ واقدی فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وِصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے چند صحابہ کو طلب فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے، میرے خیال میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں جتنا کہ آپ ان کے بارے میں خیال فرماتے ہیں۔ پھر امیر المؤمنین نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رائے طلب کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا کوئی مثل نہیں۔ پھر آپ نے حضرت سعید بن زید، اسید بن خضیر اور دیگر انصار و مہاجرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو طلب فرمایا اور ان کی رائیں طلب کیں۔ جواب ملا کہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں اور وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور صحابہ کرام بھی آئے ان سے بھی رائے لی پھر اس کے بعد ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا:۔

مسلمانو! اپنے بعد میں نے تمہارے اوپر عمر بن خطاب کو خلیفہ منتخب کیا ہے ان کا حکم ماننا اور فرمانبرداری کرنا۔ پھر اس وصیت نامہ کو مہر بند کر کے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سپرد کر دیا جسے وہ لے کر لوگوں میں گئے اور اعلانِ عام کیا۔ لوگوں نے خوشی خوشی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔

اعتراض

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بعض اسلام دشمن یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا مگر ابوبکر خود خلیفہ بن گئے اور اپنے بعد عمر کو خلیفہ بنا کر حضور کی کھلی مخالفت کی ہے۔

مسلمانو! اسلام دشمن قوتوں کا یہ اعتراض لغو اور بلا جواز اور بغض وحسد کی بنیاد پر ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نامزد نہیں کیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو وحیٔ الٰہی کے ذریعے اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ہی خلیفہ ہوں گے اور میرے صحابہ بھی انہیں ہی خلیفہ مقرر کریں گے اور ان کی خلافت کا کوئی بھی مخالف نہ ہوگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہ کرینگے۔ ایک جگہ اور ارشاد فرمایا، میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہونگے۔ (ملاحظہ کیجئے تحفہ اثناعشریہ)

مسلم شریف میں ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو حضور نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے کو بلایا کہ خلافت نامہ لکھیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ لکھنے کی کیا ضرورت ہے پھر آپ نے ارادہ ترک کر دیا۔ (مسلم شریف)

معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق ہوں گے اور مسلمان انہیں خلیفہ اوّل تسلیم کریں گے۔ اسی لئے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باقاعدہ آپ کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ دوم مقرر کرنا سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فہم وفراست کی وجہ سے تھا۔ آپ نے اپنی فہم وفراست سے اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ منتخب فرمایا۔ آپ نے جو فیصلہ کیا بالکل دُرست تھا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام کو عروج اور اسلام دشمن قوتوں کو پسپائی جس قدر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تاریخ ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات سے قبل اپنی صاحبزادی سیّدہ طاہرہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ وصیت فرمائی کہ آج تک میرے پاس جو مال تھا وہ آج وارثوں کا مال ہو چکا ہے اور میری اولاد میں تمہارے دو بھائی (عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور محمد بن ابو بکر) اور تمہاری دو بہنیں ہیں لہٰذا تم لوگ میرے مال کو قرآن مجید کے حکم کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں، ابا جان! میری تو ایک ہی بہن اسماء ہے، یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے فرمایا، میری بیوی بنت خارجہ حاملہ ہیں ان کے شکم میں لڑکی ہے وہ تمہاری دوسری بہن ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے وصال کے بعد لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام اُم کلثوم رکھا گیا۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء، صفحہ ۵۷)

معلوم ہوا کہ سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفات سے پہلے ہی اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ آپ اسی مرض میں وفات پائیں گے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرا مال آج میرے وارثوں کا ہو چکا ہے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ماں کے شکم میں لڑکا ہے یا لڑکی یہ بات غیبی ہے اور غیب کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جب اللہ اپنے محبوب بندوں کو یہ علم عطا کر دیتا ہے تو وہ عطائے الٰہی سے غیب کا علم بھی جان لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موت کا علم بھی تھا اور 'ماں کے پیٹ میں' لڑکی کا بھی علم تھا۔ دونوں باتیں غیبی علم سے ہے، جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔

سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات سے قبل یہ وصیت بھی فرمائی کہ مجھے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو سال تین ماہ گیارہ دن مسندِ خلافت پر رونق افروز رہے اور ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے مطابق لوگ آپ کا جنازہ لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرہ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی السلام علیك یا رسول اللہ هذا ابو بكر یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ابو بکر حاضر ہیں۔ یہ عرض کرتے ہی روضۂ انور کا بند دروازہ خود بخود کھل گیا اور قبرِ انور سے آواز آئی، حبیب کو حبیب کے دربار میں لے آؤ۔

(تفسیر کبیر، جلد پنجم صفحہ ۴۷۸)

خلیفہ دوم سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفہ دوم سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم مبارک عمر اور لقب فاروق ہے۔ آپ کا خاندانی شجرہ آٹھویں پشت میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام عتمہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد پوری اُمت میں آپ کا مرتبہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے آپ عمر میں تقریباً گیارہ سال حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چھوٹے ہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ قریش کے باعزت قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اعلانِ نبوت کے چھ سال بعد ۲۷ سال کی عمر میں آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ مرادِ رسول ہیں یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے پروردگار! عمر یا ابوجہل میں جو تجھے پیارا ہو اس سے اسلام کو عزت عطا فرما۔ دعا بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور آپ مشرف با اسلام ہوگئے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ۳۹ مرد اسلام قبول کر چکے تھے آپ ۴۰ ویں مسلمان مرد تھے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور انہیں حوصلہ ملا۔ اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے ہجرت کی چھپ کر کی مگر حضرت عمر مسلح ہو کر خانہ کعبہ میں آئے اور کفار کے سرداروں کو للکارا اور فرمایا کہ جو اپنے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے وہ مجھے روک لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلنے والے الفاظوں سے کفارِ مکہ پر لرزہ طاری ہوگیا اور کوئی مدمقابل نہ آیا۔ ہجرت کے بعد آپ نے جان و مال سے اسلام کی خوب خدمت کی۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اسلام کی خدمت کرنے میں گزار دی۔ آپ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار صحابی ہیں۔ آپ نے تمام اسلامی جنگوں میں مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اسلام کے فروغ اور اس کی تحریکات میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رفیق رہے۔

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ آپ کی فضیلت میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۸)

میرے بعد اگر نبی ہوتے تو عمر ہوتے۔

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ پر نبوت و رسالت ختم ہوچکی۔ اب قیامت تک کوئی بھی نبی اور رسول نہیں آئیگا۔ جو اس واضح حقیقت کے باوجود دعویٰ نبوت کرے یا جو کوئی اس کو نبی یا رسول مانے وہ ملعون کاذب کافر و مرتد ہے۔ مذکورہ حدیث سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہ ہوتی تو آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ہوتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، بے شک میں نگاہِ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ جن کے شیطان اور انسان کے شیطان بھی دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۸)

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرمادیا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ، صفحہ ۵۵۷)

معلوم ہوا کہ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حق کہنے والے ہیں۔ ان کی زبان اور قلب پر کبھی باطل جاری نہیں ہوگا اور یہ معلوم ہوا کہ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف اور دبدبے سے شیطان اور ان کے آلہ کار بھاگتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آسمان والے عمر کے اسلام پر خوش ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ابن ماجہ بحوالہ برکاتِ آلِ رسول، صفحہ ۲۹۱)

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں آپ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئیں۔ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رائیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی معاملہ میں کوئی مشورہ دیتے تو قرآن مجید کی آیتیں آپ کے مشورے کے مطابق نازل ہوتیں۔ (تاریخ الخلفاء)

مسلمانو! سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشوروں کو اللہ تعالیٰ کس طرح پسند فرماتا تھا اس کا اندازہ اس طرح لگایئے:۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور اس وقت آپ کی خدمت میں آپ کی ازواج بھی ہوتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم دیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح عرض کرنے پر ازواجِ مطہرات کے پردے کے بارے میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وازا سالتموھن متاعا فسلوھن من ورآء حجاب (پ۲۲ ع۴)

اور جب تم اُمہات المومنین سے استعمال کرنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔

ایک مرتبہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ تمہارے نبی جس جبرائیل فرشتہ کا تذکرہ کرتے ہیں وہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو جواب دیا:

من کان عدو اللہ وملئکتہ ورسولہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکفرین

جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ (پ۱ ع۱۲)

جن الفاظ کے ساتھ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی کو جواب دیا بالکل انہی الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

ان واقعات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان وعظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدر محبوب تھے کہ آپ کے خیال کے مطابق قرآن مجید کی کئی آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی، یاربّ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔ (بخاری شریف بحوالہ تاریخ الخلفاء، ص۹۰)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

صحابیٔ رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو مجوسی تھا۔ اس کا نام ابولولوہ تھا۔ یہ مجوسی ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے مالک کی شکایت لے کر آیا کہ اس کا مالک مغیرہ بن شعبہ اس سے روزانہ چار درہم وصول کرتے ہیں آپ اس میں کمی کرادیجئے۔ امیر المومنین نے فرمایا تم بہت سے کام کے ہنر مند ہو تو چار درہم روز کے تمہارے لئے زیادہ نہیں ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ غصے میں آگ بگولہ ہوگیا اور آپ کو قتل کرنے کا مکمل ارادہ کرلیا اور اپنے پاس ایک زہر آلود خنجر رکھ لیا۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز بدھ آپ نمازِ فجر کی ادائیگی کیلئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ جب آپ نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو اسلام دشمن مجوسی آپ پر حملہ آور ہوگیا اور اتنا سخت وار کیا کہ آپ بری طرح زخمی ہوگئے اور تین دن بعد دس سال چھ ماہ اور چار دن مسلمانوں کی خلافت کے اُمور انجام دینے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی شہادت کے موقع پر لوگوں نے پوچھا یا امیر المؤمنین کچھ وصیتیں فرمایئے اور خلافت کیلئے کسی کا انتخاب بھی فرمادیجئے۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا، خلافت کیلئے میں ان چھ صحابہ کو مستحق سمجھتا ہوں جن سے اللہ کے رسول دنیا سے راضی ہوکر گئے ہیں۔ پھر آپ نے چھ صحابہ کے نام بتائے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان چھ صحابہ میں سے جن کو چاہیں منتخب کرلیں۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ صحابہ کو خلیفہ کے انتخاب کیلئے جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ پہلے تین آدمی اپنا حق تین آدمیوں کو دے کر خلافت کے حق سے الگ ہو جائیں۔ لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ حضرت علی کے حق میں، حضرت سعد بن وقاصؓ عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں اور حضرت طلحہؓ حضرت عثمان کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

تینوں منتخب صحابہ باہمی مشورے کیلئے ایک طرف چلے گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے خلافت پسند نہیں کرتا لہٰذا میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) خاموش کھڑے رہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں صحابہ سے فرمایا، اگر آپ دونوں حضرات خلیفہ کے انتخاب کا کام میرے ذمے چھوڑ دیں تو خدا کی قسم میں آپ دونوں میں سے بہتر اور افضل شخص کا انتخاب کروں گا۔ دونوں حضرات اس پر متفق ہو گئے۔ دونوں بزرگوں سے عہد و پیمان لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کونے میں لے گئے اور ان سے کہنے لگے اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! آپ اسلام قبول کرنے والے اوّلین میں سے ہیں اور آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں لہٰذا میں اگر آپ کو خلیفہ مقرر کروں تو کیا آپ خلافت قبول کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اگر میں آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو آپ پر خلیفہ مقرر کروں تو کیا آپ منظور کر لیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے یہ بھی منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کونے میں لے گئے اور یہی دو سوال کئے وہ بھی متفق ہو گئے۔ اسکے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔ (تاریخ الخلفاء)

خلیفہ سوئم سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ آپ کا نام عثمان اور آپ کے والد کا نام عفان بن ابی العاص تھا۔ پانچویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تقریباً چار سال چھوٹے تھے۔ آپ کا لقب ذوالنورین (دو نوروالے) ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اس طرح آپ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف حاصل ہوا اور یہ ایسا شرف ہے جو آپ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح آپ ذوالنورین ہوئے۔

آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت تکالیف اُٹھائیں۔ آپ نے پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت دولت مند بنایا تھا اور اپنی دولت سے آپ نے اسلام کی ترویج و اشاعت میں بہت مدد کی۔ جب آپ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے راہِ خدا میں خرچ کیے تو اس موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اب عثمان کو وہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جو اس کے بعد کریں گے۔ (مشکوٰۃ) یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ایسا عمل ہے کہ اب کوئی نفلی عمل نہ بھی کریں تب بھی ان کے بلند مرتبے کیلئے یہ عمل کافی ہے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آئے تو وہاں پینے کا میٹھا پانی نہیں تھا۔ صرف ایک یہودی کا کنواں تھا جو مدینہ سے تقریباً چار کلو میٹر کے فاصلے پر وادی عقیق میں تھا۔ یہودی اس کنویں کے پانی کو فروخت کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو پانی کی بڑی تکلیف تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کنواں بیس ہزار درہم میں یہودی سے خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کردیا۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقامِ حدیبیہ میں پہنچے تو اس وقت آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاصد کی حیثیت سے مکہ روانہ کیا تاکہ آپ کفارِ مکہ سے بات کریں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ چلے گئے تو یہ مشہور ہوا کہ مکہ والوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کی غیر موجودگی میں بیعتِ رضوان کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب تمام صحابہ بیعت کر چکے تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور حضرت عثمان کی طرف سے بیعت فرمائی یعنی فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ وہ شرف ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک باغ میں تھا کہ ایک صاحب آئے اور اس باغ کا دروازہ کھلوایا تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دروازہ کھول دو اور آنے والے کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر ایک صاحب اور آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا، ان کیلئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر ایک تیسرے صاحب نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، آنے والے کیلئے دروازہ کھول دو اور ان مصیبتوں پر جو اس شخص کو پہنچیں گی جنت کی خوشخبری دو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا آنے والے شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری و مسلم شریف)

سبحان اللہ کیا مقام و مرتبہ ہے صحابہ کرام کا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دنیا ہی میں جنتی ارشاد فرما دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی پیش گوئیاں

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ اُحد پہاڑ پر تشریف لے گئے یکا یک پہاڑ تھر تھر ہلنے لگا تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے احد (پہاڑ) تو ٹھہر جا کہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر معالم التنزیل، جلد ۶ صفحہ ۲۱۶)

اس حدیثِ مبارکہ میں دو شہید سے مراد سیّدنا حضرت عمر فاروق اور سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

ایک مرتبہ مستقبل میں فتنے برپا ہونے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس فتنے میں ظلم سے قتل کیا جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ترمذی شریف)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اور آئندہ مہینوں کا ذکر فرمایا کہ اتنے میں ایک شخص سر پر کپڑا ڈالے وہاں سے گزرا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ ایک صحابی اُٹھے اور اس شخص کو دیکھا تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ شہادت کے موقع پر بھی حق پر ہونگے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خوب جانتے تھے کہ دریا کا بہتا ہوا پانی تو رُک سکتا ہے، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے مگر حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان غلط نہیں ہوسکتا اسی لئے آپ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا اور آپ عمر کے آخر تک اپنی شہادت کا انتظار کرتے رہے۔

ایک مرتبہ حضور سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا، اے عثمان! اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیض پہنائیگا (یعنی خلعت خلافت سے سرفراز فرمائیگا) اگر لوگ اس قمیض کے اُتارنے کا تجھ سے مطالبہ کریں تو ان کی خواہش پر یہ قمیض نہ اُتارنا (یعنی خلافت نہ چھوڑنا)۔ (ملاحظہ کیجئے ابن ماجہ شریف، ترمذی شریف)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سازشیں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی دولت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ تبلیغ اسلام میں لاکھوں درہم و دینار راہِ خدا میں خرچ کرنے کے باوجود شہادت کے وقت زمینوں اور مختلف جائیدادوں کے علاوہ پینتیس لاکھ دِرہم اور ڈیڑھ لاکھ دِینار نقد چھوڑے۔ (ملاحظہ کیجئے مستدرک حاکم، جلد ۳ صفحہ ۹۶)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت نرم مزاج تھے آپ میں عفوودرگزر کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ آپ انتہائی فیاض اور سخی تھے۔ جیسے آپ سخی تھے ویسے ہی سخاوت کرتے تھے۔ سینکڑوں بیواؤں، یتیموں اور غریب رشتے داروں کی مدد اپنے ذاتی مال سے فرماتے۔ آپ کی غیر معمولی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے اسلام دشمن قوتوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔ ان اسلام دشمن مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ ایک یہودی عبداللہ ابن سباء تھا۔ اسلام نے سب سے زیادہ نقصان چونکہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا۔ اس لئے وہ شروع ہی سے اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ یہودیوں اور مجوسیوں نے بدلہ لینے کیلئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کردیا۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی پانچ سال امن وسکون میں گزرے۔ فتوحات کی وسعت اور مالِ غنیمت کی فراوانی سے مملکتِ اسلامیہ کو ترقی اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ صحابہ کرام جو اسلام کے سچے فدائی تھے آہستہ آہستہ دُنیا سے رُخصت ہوتے جارہے تھے ان کی جگہ نئی نسل آتی گئی۔ جن کے دِلوں میں اپنے اسلاف جیسا خلوص اور ولولہ نہیں تھا بلکہ مال و دولت کی فراوانی نے ان میں سے بعض میں رشک اور حسد کا مادہ پیدا کردیا تھا۔

سازشوں کا آغاز

اسلام دشمن یہودی عبداللہ ابن سباء جو بظاہر خود کو مسلمان کہتا تھا۔ یہ ظالم بڑا سازشی ذہن رکھتا تھا۔ اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی اور خوشحالی کو دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف درحقیقت اسلام کے خلاف ایک سازشی منصوبہ بنایا۔ یہودی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات ہی سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں تھے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت تک وہ اپنے ناپاک مشن میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فطرتاً بہت رحم دل تھے۔ آپ کے نامزد کردہ گورنروں سے بعض معاملات میں اگر کوئی کوتاہی ہوجاتی تو علم میں آجانے کے بعد آپ اس کا تدارک کرتے مگر کبھی کبھی نظر انداز بھی کردیا کرتے۔ اس سے یہودیوں کو بدنام کرنے کا موقع ملا۔ عبداللہ ابن سباء اور اس کے آلہ کاروں نے سب سے پہلے اہل بیت سے محبت اور ان کی حمایت کا دعویٰ کیا اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کیلئے نئے اور من گھڑت عقائد کا پرچار کیا۔ اس نے یہ نظریہ دیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح دنیا میں آئیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی ہیں اور جو رسول کی وصیت کو پورا نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عثمان نے خلافت ظلم سے حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا کہ انہوں نے صحابہ کرام کو اہم عہدوں سے برطرف کرکے اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو عہدوں پر فائز کیا۔

بیت المال کا پیسہ بے کار صَرف کیا اور اپنے عزیزوں کو بڑی بڑی رقمیں دیں۔ مروان طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصہ دیا اور عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے۔

حکم بن العاص کو جسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا، دوبارہ مدینہ بلالیا۔ یہ وہ اعتراض تھے جو اسلام دشمن قوتوں نے ان کے خلاف اُٹھائے۔

اسلام دشمن قوتوں کا جو اعتراض ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر کسی صحابی کو عہدوں سے معزول کرنے کے معقول اسباب ہوں تو اس کو معزول کرنا کوئی شرعی جرم نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی نے بھی کسی موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالاری کے منصب سے معزول کیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن صحابہ کو معزول کیا اس کی وجوہات بھی معقول تھیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برطرف کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہوگئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا لہٰذا وہ معزول ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بیت المال سے رقم قرض لی تھی جسے وہ ادا نہ کرپارہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑھاپے کی وجہ سے برطرف کیا گیا۔ اس وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو عہدوں پر فائز کیا وہ موزوں ترین تھے ان کی شجاعت اور بہادری نے اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع کردیا۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابی کا مرتبہ غیر صحابی سے بلند تر ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سیاسی نقطہ نظر سے ملک وقوم کے انتظامی اُمور کی دیکھ بھال اور کسی عہدے کیلئے صحابی کا ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہ عمر کے اس حصے کو پہنچ چکے تھے کہ وہ کسی بڑی خدمت کیلئے موزوں نہ تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو دوسرا اعتراض اسلامی لبادہ اوڑھے یہودی ایجنٹوں نے اُٹھایا وہ بھی غلط تھا کیونکہ جس ہستی نے ابتدائی دورِ اسلام میں اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال کی دولت پر کیا نگاہ ڈالیں گے۔ انہیں بیت المال سے فائدہ اُٹھانے کی کوئی حاجت نہ تھی کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی بزرگ تھے جو بیت المال سے اپنا ذاتی وظیفہ بھی نہیں لیتے تھے۔ اللہ نے آپ کو بڑا فیاض اور سخی بنایا تھا اس لئے اپنے ذاتی مال سے اپنے غریب رشتے داروں کی مدد فرماتے۔ اسے اسلام دشمن قوتوں نے دوسرا رنگ دے کر قوم کو منتشر کیا۔ حالانکہ آپ نے خود ایک موقع پر ارشاد فرمایا، لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا ہوں بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے۔ (طبری، صفحہ ۲۹۵۲)

بیت المال میں خیانت کے حوالے سے جو سبائیوں نے پروپیگنڈہ کیا وہ بھی غلط اور مسخ شدہ تھا۔ مثلاً مروان کو مالِ غنیمت کا آپ نے کوئی حصہ عطا نہیں کیا۔ بلکہ مروان نے اس حصہ کو پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔ (ابن خلدون، جلد ۲ صفحہ ۲۹؟)

عبداللہ بن ابی سرح کو خمس کا البتہ پانچواں حصہ دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس پر حملہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی حوصلہ افزائی کیلئے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں کامیاب ہوئے تو تم کو مالِ غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ جب طرابلس فتح ہوا تو امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسبِ وعدہ خمس کا پانچواں حصہ دے دیا لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم لوگ راضی نہیں تو یہ خمس واپس کر دیا جائے گا چنانچہ آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو وہ خمس واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ (طبری، صفحہ ۲۸۱۵)

اسی طرح عبداللہ بن خالد کو بھی ان کی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ (طبری، صفحہ ۲۹۴۹)

عبداللہ بن سباء یہودی نے اس سازش کا جال تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ خفیہ خط و کتابت کے ذریعے ایسا منظّم اور وسیع پروپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں پورے ملک کی فضا خراب ہوگئی۔ (طبری، صفحہ ۲۹۴۷)

ملک کے ہر گوشے میں ابن سباء کے پروپیگنڈے کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا خصوصاً عراق میں جہاں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی تھی اس فتنہ کا مرکز بن گیا اور اس طرح کوفہ اور بصرہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین اُبھر کر سامنے آگئے۔ کوفہ میں جو انتہا پسند اُبھر کر سامنے آئے انکے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب عمیر بن صابی تھے۔ ان کا کام حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرنا تھا یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ برپا کردیتے۔ ان کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آکر کوفہ کے شرفاء خاص طور پر کوفہ کے گورنر سعید بن العاص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک پیغام بھیجا کہ کوفہ کو شر پسندوں سے بچایا جائے اور ان لوگوں کو یہاں سے نکال کر کہیں اور بھیج دیا جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست قبول کی اور قیام امن کی خاطر ان تمام انتہا پسندوں کو صوبہ شام بھیج دیا جہاں کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

ان انتہا پسند سرغنہ کے کوفہ سے نکل جانے کے بعد اگرچہ کوفہ میں کسی کو آپ کے خلاف اُٹھنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن عبداللہ بن سباء کے گروہ جو سبائی کہلاتے تھے اندر اندر مضبوط ہوتے گئے جن کا صرف ایک مقصد تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

انتہا پسندوں کا مطالبہ دن بدن زور پکڑ گیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلتا گیا۔ آپ نے جب اس حقیقت کو محسوس کیا تو اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ کسی نے کہا یہ خفیہ سازش ہو رہی ہے اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والے عناصر کو پکڑ کر انہیں قتل کردیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقے کو اختیار کیجئے۔ یہ مشورہ سن کر آپ نے جواب دیا جس حادثے کا خوف ہے وہ آکر رہے گا دروازہ بند بھی کردیا جائے تو وہ بزور قوت کھل جائے گا لیکن میں اس دروازے کو نرمی سے بند کروں گا البتہ حدود اللہ میں نرمی نہیں برتوں گا۔ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ تم لوگوں میں سکون پیدا کرو۔ (طبری، صفحہ ۲۹۳۵-۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ اللہ کی قسم خونریزی سے پہلے میرا قتل ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں خونریزی کے بعد قتل کیا جاؤں۔ (تحفہ اثناء عشر)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس قول کی وضاحت اسطرح کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ میری شہادت لکھ دی گئی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بشارت مجھے دے دی ہے اگر بلوائیوں سے جنگ کی بھی گئی تب بھی میں قتل کر دیا جاؤں گا لہٰذا ان بلوائیوں سے جنگ کرنا فائدہ مند نہیں۔

آخرکار بلوائیوں نے اپنے بغض کی آگ ٹھنڈا کرنے کیلئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو گھیر لیا آپ کیلئے پانی بند کر دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ علم ہوا تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کیلئے مامور کر دیا اور دونوں شہزادے تلوار ہاتھوں میں لئے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ دروازوں پر سخت پہرہ دیکھ کر بلوائیوں کو اندر داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی البتہ وہ پڑوس کے مکان میں پہنچ گئے اور وہاں سے چھت کود کر امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے اور امیر المؤمنین پر جھپٹ پڑے اور انہیں نہایت بے دردی سے شہید کر کے خاموشی سے فرار ہو گئے۔

آپ کی شہادت کی اطلاع جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو آپ کو اپنے دونوں بیٹوں پر بہت غصہ آیا اور غصے کی حالت میں آپ نے ایک طمانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک گھونسا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مارا اور فرمایا جب تم دونوں دروازوں پر موجود تھے تو امیر المومنین شہید کیسے ہوئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ قاتل دروازہ سے نہیں بلکہ پڑوس کی دیوار کود کر اندر داخل ہوئے ہیں تو آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے پوچھا کہ امیر المؤمنین کو کس نے شہید کیا۔ آپ پردہ دار خاتون تھیں آپ نے کہا کہ میں قاتلوں کو تو نہیں جانتی البتہ ان کے ساتھ محمد ابو بکر یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن ابو بکر کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا حضرت نائلہ سچ کہتی ہیں بے شک میں گھر میں داخل ضرور ہوا تھا اور قتل کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن جب انہوں نے میرے باپ حضرت ابو بکر کا ذکر کیا تو میں ان سے دُور ہو گیا۔ میں اپنے اس فعل پر بہت نادم ہوں اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ آپ کے مکان میں جو بلوائی کودے تھے ان کا نام حمار جو مصر کا رہنے والا یا اسود تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی۔ آپ کا دورِ خلافت بارہ سال رہا۔ آپ کا مزارِ اقدس جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں ہے۔

پہلے امام و خلیفہ چہارم سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ابو طالب کے بیٹے ہیں۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۳ رجب بروزِ جمعہ خانہ کعبہ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت ہی اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے۔ آپ کی ذات گرامی بہت سی خوبیوں کی مالک ہے۔ آپ جہاں ایک صحابی ہیں تو خلیفہ چہارم بھی ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں تو پہلے امام بھی ہیں۔ آپ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں تو آپ داماد رسول بھی ہیں۔ آپ خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہرِ نامدار ہیں تو سردارانِ نوجوانانِ اہل جنت حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد بزرگوار بھی ہیں۔ آپ ریاضت و عبادت کرنے والے بھی ہیں تو صاحبِ شجاعت و سخاوت بھی ہیں۔ آپ بہت سی خوبیوں کے جامع ہیں۔ آپ کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ دنیا اور آخرت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔

جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اخوت و بھائی چارہ قائم کیا اور ہر دو صحابی کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روتے ہوئے بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور حضور کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ نے تمام صحابہ کے درمیان اخوت قائم کی۔ ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنادیا مگر مجھ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا، میں تو یوں ہی رہ گیا تو سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دنیا و آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۵۶۴)

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینے میں رہنے کا حکم ارشاد فرمایا اور اپنے ساتھ غزوہ میں شامل نہیں کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جاتے ہیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (بخاری شریف۔ مسلم شریف)

اس حدیثِ مبارکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دِن کیلئے کوہِ طور پر گئے تو آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ اسی طرح جنگِ تبوک کے موقع پر میں تمہیں اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر جا رہا ہوں لہٰذا جو مقام حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا وہی مقام ہماری بارگاہ میں اے علی تمہارا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوگئے۔

بعض لوگ اس حدیثِ مبارکہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اوّل ہونے کا جواز نکالتے ہیں جو دُرست نہیں وہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مطلق نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی یہ خلافت اہل وعیال کی دیکھ بھال کیلئے تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہادری اور شجاعت شہرہ آفاق ہے۔ دنیائے عرب وعجم میں آپ کی شجاعت و بہادری کے سکے لوگوں کے دِلوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے جنگِ خیبر کے موقع پر قلعے کا پھاٹک تن تنہا اُکھاڑ کر رکھ دیا اور اس کو ہاتھ میں پکڑ کر ڈھال بنا لیا۔

جنگِ خیبر کے موقع پر ایک دن مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کل میں اسلامی پرچم اس شخص کے حوالے کروں گا جس کے ہاتھ پر اِن شاءَ اللہ خیبر فتح ہوجائے گی۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہے۔ جبکہ اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے راضی ہے۔

صحابہ کرام رات بھر غور وخوض کرتے رہے کہ دیکھیں کہ وہ کون خوش قسمت ہے کہ جنہیں کل جھنڈا دیا جائے گا۔ صبح ہوتے ہی صحابہ کرام بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ہر صحابی شدت سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ یہ شرف مجھے حاصل ہوجائے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ حضور ان کی آنکھیں دُکھی ہوئی ہیں اسلئے وہ حاضر نہیں ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دُکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حاضر ہوئے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگایا تو آپ کی آنکھیں اسی وقت اچھی ہوگئیں۔ اس کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پرچم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور خیبر کا مضبوط قلعہ آپ کے ہاتھ فتح ہوا۔

(بخاری شریف۔ مسلم شریف)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر احادیثِ مبارکہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت بیان کی گئی ہے کسی اور صحابی کی فضیلت بیان نہیں ہوئی۔ (حاکم، تاریخ الخلفاء)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ شریف)

ایک اور موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ (امام احمد، طبرانی)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد ان کے پشت میں رکھی اور میری علی ابن طالب کی پشت میں رکھی۔ (الشرف المؤبد، صفحہ ۴۸)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔ (ترمذی، حاکم، طبرانی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں تو ابھی نوعمر اور نا تجربہ کار ہوں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا میں نہیں جانتا اور آپ مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں۔ یہ سن کر فخرِ موجودات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ لگایا اور دعا فرمائی، اے اللہ! اس کے دل کو روشن فرما دے، اس کی زبان کو تاثیر عطا فرما دے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اس ربِّ ذوالجلال کی کہ جس کے حکم سے تخم سے درخت اُگتے ہیں اس دعا کے بعد پھر کبھی بھی مجھے مقدمہ کے فیصلے میں کوئی تردد پیدا نہ ہوا بغیر کسی شک و شبہ کے میں نے ہر مقدمہ میں دُرست فیصلہ کیا۔ (حاکم)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ اقدس اس قدر فراخ اور روشن ہو گیا کہ مشکل ترین فیصلے بھی آپ چند لمحوں میں حل فرما دیتے اور یہ فیصلہ اس قدر حیران کن اور نپے تلے ہوتے کہ کسی کو چوں و چرا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

بطورِ مثال ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے:۔

ایک مرتبہ دو آدمی کھانا کھانے کیلئے بیٹھے۔ ان میں سے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ اسی دوران ایک آدمی ان کے پاس آیا سلام کیا اور انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرلیا۔ انہوں نے مل کر تمام روٹیاں کھالیں۔ آنے والے شخص نے جاتے وقت آٹھ دِرہم ان دونوں کو دیئے کہ یہ کھانے کی قیمت ہے آپس میں بانٹ لینا۔ ان دونوں میں رقم کی تقسیم پر جھگڑا ہوگیا۔ پانچ روٹی والا کہنے لگا میری پانچ روٹیاں تھیں اور تمہاری تین لہٰذا پانچ دِرہم میں لوں گا اور تین تم لوگے۔ تین روٹی والے شخص نے اس کا فیصلہ نہیں مانا اور آدھی رقم یعنی چار درہم کا مطالبہ کردیا۔ یہ معاملہ لے کر دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے آئے۔ آپ نے یہ مقدمہ سنا اور تین روٹی والے سے کہا اے شخص تیرے حق میں تین درہم بہتر ہیں تم اسے لے لو۔ وہ شخص بولا یہ فیصلہ تو غیر منصفانہ ہے مجھے قبول نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے اے شخص یہ تو تیرے ساتھی کی عطا اور سخاوت ہے اگر انصاف چاہتے ہو تو تم تین درہم کے بھی حقدار نہیں تمہارے ساتھی کو سات اور تمہیں صرف ایک درہم ملنا چاہئے۔ یہ سن کر تین روٹی والا شخص حیران ہوا وہ کیسے؟ مجھے سمجھایئے۔ میں قبول کرلوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سنو! روٹیوں کی کل تعداد آٹھ ہے۔ کھانے والے تین ہیں۔ ہر روٹی کے تین ٹکڑے کیے جائیں تو آٹھ روٹیوں کے کل ٹکڑے چوبیس ہوئے۔ اسطرح فی آدمی نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ تمہاری تین روٹیوں کے نُو ٹکڑے ہوئے۔ آٹھ ٹکڑے تم نے کھالئے باقی ایک ٹکڑا باقی رہا جو آنے والے کے حصے میں آیا۔ جبکہ تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیاں تھیں جس کے پندرہ ٹکڑے ہوئے۔ آٹھ ٹکڑے اس نے کھالئے سات ٹکڑے آنے والے کو ملے اس لحاظ سے تمہیں ایک ٹکڑے کی قیمت ایک دِرہم ملنا چاہئے اور تمہارے ساتھی کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ یہ فیصلہ سن کر جھگڑنے والے نے خاموشی اختیار کرلی اور دل و جان سے فیصلہ قبول کرلیا۔ (تاریخ الخلفاء)

سبحان اللہ! آپ کیا اعلیٰ شان کے مالک تھے۔ فیصلہ کرنے میں فہم و فراست اور شعور کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ دوم سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مقدس صحابی کے پاس جب کبھی کوئی پیچیدہ معاملہ آجاتا اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے دربار میں موجود نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کرنے میں بڑی احتیاط فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے کہ کہیں غلط فیصلہ نہ ہوجائے۔ (خاندانِ مصطفیٰ، صفحہ ۱۲۶)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انکے سامنے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو آپ فرماتیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ علم سنت جاننے والا اور کوئی نہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بہت بلند و بالا ہے اس مختصر سے مضمون میں آپ کی شان کو بیان کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ آپ شجاعت وسخاوت کے بلند پایہ درجے پر فائز تھے۔ آپ کی محبت مومنوں کی جان ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے بغض وعداوت نہیں رکھتا۔ (ترمذی)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت نہ کرنے کو منافق ہونے کی علامت ٹھہرایا یعنی آپ سے بغض وعداوت رکھنے والے کو مومن نہ ہونے کا معیار قرار دیا۔ جو مومن ہیں وہ آپ سے محبت کرتے ہیں اور محبت کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہر فرمان کو دل و جان سے مانا جائے۔ آپ کی محبت ایمان کی علامت اور آپ سے عداوت منافقت کی علامت ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے علی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا، جس نے علی کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو دوست رکھا۔ (طبرانی، تاریخ الخلفاء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ مدینہ منورہ میں ہر طرف باغیوں کا زور تھا۔ خلافتِ اُمور سنبھالنا بھی ضروری تھا۔ صحابہ کی جماعت میں اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہی ایسی تھی جنہیں خلیفہ منتخب کیا جا سکتا تھا چنانچہ مہاجرین و انصار صحابہ میں سے چند صحابہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور خلافت کی پیشکش کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا مجھے خلافت کی حاجت نہیں۔ تمہارا دل جسے چاہے خلیفہ بنالو میں بھی اسے قبول کرلوں گا۔ جماعتِ صحابہ نے پھر عرض کی کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے آپ کے ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر معذرت کی اور فرمایا کہ امیر ہونے کے بجائے مجھے مشیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ ہم تو آپ ہی کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے بے حد اصرار پر اور ملتِ اسلامیہ کے مفاد میں آپ نے یہ پیشکش قبول فرمائی اور مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرلیا۔

خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے سب سے اہم معاملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کرنا اور ان سے قصاص لینا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی لیکن آپ کیلئے دُشواری یہ ہوئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے والے کی شہادت موجود نہ تھی شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں جو ایک باپردہ خاتون تھیں۔ گھر میں گھسنے والوں میں وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو جانتی تھیں لیکن وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک جملہ کو سن کر ہی واپس لوٹ گئے تھے اس طرح وہ قتل میں شریک نہ ہوئے۔ بعد میں جو باغی موجود تھے ان کا تعلق کہاں سے تھا حضرت نائلہ یہ نہیں جانتی تھیں۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قاتل کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوئے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا لوگوں کے دِلوں پر اس قدر اثر تھا کہ عوام تو عوام صحابہ کی جماعت بھی قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کرتی رہی اور یہ مطالبہ شدت اختیار کر گیا۔ امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو بار بار سمجھاتے اے لوگو! تم جو کہتے ہو میں اس سے غافل نہیں لیکن ان قاتلوں کو کیسے گرفتار کروں جن پر میرا قابو نہیں۔ (ملاحظہ کیجئے طبری)

ملک شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام فتح کیا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن ابوسفیان کو شام کا گورنر بنا دیا تھا جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنی جگہ اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا حاکم بنا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کے اس عہدے کو برقرار رکھا اور پورے عہدِ فاروقی میں آپ دِمشق کے حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں آپ کو پورے ملک شام کا حاکم یعنی گورنر بنا دیا۔ اس طرح آپ مجموعی طور پر بیس یا بائیس سال ملک شام کے حاکم رہے۔ رعایا پر آپ کا بڑا اثر تھا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بہت افسردہ ہوئے اور مدینہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون آلود لباس اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُنگلیاں منگوا کر دِمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں جسے دیکھ کر شام کے مسلمانوں کے جذبات قاتلوں کے خلاف بھڑک اُٹھے اور ان کی گرفتاری کا پُر زور مطالبہ شروع کر دیا۔ (طبری، صفحہ ۳۰۹۱)

اور یہ مطالبہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ماننے کا انکار کر دیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کرنے کا حکم جاری کیا لیکن آپ معزول نہ ہوئے اور ایک مضبوط لشکر تیار کر کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے ہٹانے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس حقیقت کا علم ہوا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا احتجاجی مطالبہ

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر سال حج کرنے مکہ آتی تھیں۔ جس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ میں تھیں۔ یہیں آپ کو شہادت اور مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں۔ یہ افسوس ناک حالات سن کر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور مدینہ میں ہونے والی بدامنی کی اصلاح کی دعوت دی۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہوگئی۔ اُم المومنین نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی:۔

لوگو! مختلف ملکوں کے لوگوں اور اجنبیوں نے چند معمولی باتوں پر حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شہید کردیا۔ انہوں نے سرکشی کرکے حرام خون بہایا۔ شہر مدینہ کا تقدس پامال کیا۔ خدا کی قسم! عثمان کی ایک اُنگلی ان کے جیسے ساری روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔ عثمان مظلوم شہید کردیئے گئے لہٰذا عثمان کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ کی اس دعوت پر ہزاروں مسلمان سر کٹانے کیلئے آمادہ ہوگئے اور لاکھوں دِرہم و دِینار اور اونٹ اس دعوت پر لوگوں نے جمع کرانا شروع کردیئے اور تین ہزار افراد پر مشتمل یہ لشکر مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد یہی تھا کہ اس وقت یہودی ابن سباء اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کا گروہ مدینہ ہی میں ہے۔ بصرہ میں اس وقت عثمان بن حنیف حاکم تھا جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکم یعنی گورنر بنایا تھا۔ انہوں نے بصرہ آنے کا سبب پوچھا تو آپ نے تقریر کرتے ہی ارشاد فرمایا:۔

لوگ عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور انکے نامزد کردہ (گورنروں) کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آکر ہم سے شکایتیں کرتے اور مشورہ چاہتے تھے۔ ہم شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان کو نیکوکار، پرہیزگار اور سچا پاتے اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور جھوٹا پاتے۔ ان کے دل میں کچھ ہوتا تھا اور زبان پر کچھ۔ جب ان کی قوت اور تعداد بڑھ گئی تو عثمان کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے بے گناہ خون بہایا۔ لہٰذا خبردار ہوجاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا نفاذ ہے۔ لوگوں کے دلوں پر اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ حضرت عثمان بن حنیف کی فوج کا ایک حصہ ان سے الگ ہوگیا۔ (طبری، صفحہ ۳۱۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بصرہ کے لوگوں کو عثمان کے قصاص کی دعوت دے رہی ہیں اور یہ مطالبہ شام کے ساتھ ساتھ بصرہ میں بھی زور پکڑ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقابلے کا ارادہ ترک کیا اور مجبوراً اُم المومنین سے مقابلے کا عزم کرنا پڑا۔ بعض صحابہ نے اس جنگ کو روکنے کی کوشش کی۔ بصرہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بزرگ جو اُمت کے خیر خواہ تھے انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس امن کا پیغام لے کر بھیجا اس نے جا کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے مشیروں سے کہا کہ جنگ مسائل کا حل نہیں۔ بہتر طریقہ امن ہے۔ اگر امن ہوگا تو قاتلین کو پریشانی ہوگی اس طرح وہ منظر عام پر آئیں گے اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ لہٰذا آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں یہ اُمت کیلئے فال نیک ہے۔ اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ امن ہوگا اور نہ ہی قصاص لیا جائے گا۔ اُمت کو سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے۔ یہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی یہ ایک کا مسئلہ نہیں پوری اُمت کا سوال ہے۔ قاصد کی یہ باتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پسند فرمائیں اور فرمایا اگر علی بھی تمہاری ان باتوں کو پسند کریں تو معاملات بہتر ہو سکتے ہیں۔ قاصد نے یہ خوشخبری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنائی آپ یہ پیغام سن کر بہت خوش ہوئے۔

اسلام دشمن سبائیوں کی سازش

اسلام دشمن سبائیوں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کو جب مسلمانوں میں اتفاق ہوتا نظر آیا تو وہ مضطرب ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے اگر دونوں فریقوں میں صلح ہوگئی تو ہم لوگوں کی خیر نہیں اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قتل کر دیں۔ دونوں فریقوں کو غور وفکر کا موقع نہ دو اور باقاعدہ مصالحت ہونے سے پہلے پہلے دونوں فوجوں کو باہم لڑا دو۔ جب جنگ کے شعلے بھڑک جائیں گے تو یقیناً علی بھی اپنے بچاؤ کیلئے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس رائے پر مکمل اتفاق ہو گیا۔ (ملاحظہ کیجئے طبری، صفحہ ۳۱۶۵)

طبری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان مختلف معاملات پر بحث ومباحثہ ہونے کے بعد اتفاقی طور پر یہ طے پایا کہ اُمت کی بہتری صلاح میں ہے لہٰذا دونوں لشکر مطمئن اور مسرور ہو کر چلے گئے۔ رات دونوں لشکر سکون سے سو گئے۔

یہودی ابن سباء کے آلہ کار سبائیوں کیلئے یہ صلح بڑی تکلیف دہ تھی۔ انہوں نے سوچا اگر یہ رات خیروعافیت سے گزر گئی تو دن ہوتے ہی فوجیں اپنے گھروں کو چلی جائیں گی اور یہ موقع ضائع ہو جائے گا۔ لہٰذا صبح ہونے سے پہلے پہلے اندھیرے میں دونوں فوجوں کو باہم لڑا دیا جائے۔ چنانچہ سبائی راتوں رات دونوں فوجوں میں پھیل گئے اور سوتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس غیر متوقع حملے سے دونوں لشکر گھبرا گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدا لگاتے اے لوگو! رُک جاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اُونٹ پر سوار ہوگئیں اور لوگوں کو جنگ سے منع کرنے کیلئے پہنچ گئیں لیکن اندھیرے میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی اصل حقیقت کا کسی کو علم نہیں۔ ہر فریق نے یہی گمان کیا دوسرے فریق نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا صبح ہوتے ہوتے دونوں فریقوں میں خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ جو جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حمایت میں تھے۔ دورانِ جنگ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو آپ نے کہا اے زبیر! تم کو یاد ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں یاد آ گیا۔ (ملاحظہ کیجئے مستدرک حاکم فضائل زبیر، جلد ۳)

مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد جیسے ہی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد آیا آپ فوراً جنگ سے علیحدہ ہوگئے اور واپس لوٹ گئے۔ جب آپ واپس جارہے تھے ایک اسلام دشمن سباء آپ کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں نماز کا وقت آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی تیاری کی۔ سبائی جو ظاہری اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اس نے بھی نماز کی تیاری کی اور آپ کی اقتداء میں کھڑا ہوگیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے ہی سجدہ میں گئے تو اسلام دشمن سبائی نے تلوار سے آپ کا سر قلم کردیا اور آپ شہید ہوگئے۔ عمرو بن جرموز نامی یہ سبائی آپ کا سر اُٹھا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر دیکھ کر عمرو بن جرموز سے کہا، اے زبیر کے قاتل! تجھے جہنم مبارک ہو۔ (اخبار الطوال، صفحہ ۱۵۷)

جنگ زوروں پر تھی فریقین ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اونٹ پر بیٹھیں اپنے جانبازوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اندازہ لگالیا جب تک اونٹ اپنی جگہ کھڑا ہے اس وقت تک خونریزی بند نہ ہوگی۔ لہٰذا آپ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ حضرت عائشہ (صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اونٹ کے پاؤں زخمی کردیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اونٹ زخمی ہوکر بیٹھ گیا۔ اونٹ بیٹھتے ہی جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان فرمایا کہ بھاگنے والے کو نہ پکڑا جائے۔ نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے اور جو ہتھیار ڈال دے اسے امن فراہم کیا جائے۔

جنگ ختم ہونے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جاکر اُم المؤمنین کی خیریت دریافت کریں کہ انہیں کوئی زخم تو نہیں لگا اور انہیں عزت کے ساتھ محل میں پہنچادیں۔ اس کے بعد آپ خود مزاج پرسی کیلئے حاضر ہوئے اور پوچھا اے امی جان! مزاج کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا اچھی ہوں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو معاف فرمائے۔ اس کے جواب میں اُم المؤمنین نے بھی یہی کلمات ادا فرمائے۔ چند دن آرام کرنے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عزت و احترام کے ساتھ مکہ روانہ کردیا۔ مکہ جاتے وقت آپ نے لوگوں سے فرمایا، اے میرے بیٹو! یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی لہٰذا ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔ میرے اور علی کے درمیان جو ساس اور داماد میں کبھی کبھی ہوجایا کرتی تھی اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں۔ اُم المؤمنین فرماتی ہیں خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی رنجش نہ تھی۔ اُم المؤمنین دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرم ہیں۔ اس خوش آئند گفتگو کے بعد دونوں ایک دوسرے سے رُخصت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند میل تک آپ کو رُخصت کیا اس کے بعد اپنے شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ روانہ کردیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

مسلمانو! جو واقعہ اوپر بیان کیا گیا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اُم المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مابین یہ جنگ غلط اطلاعات اور غلط فہمی کی بنیاد پر ہوئی۔ جنگ کا آغاز اسلام دشمن سبائیوں کی سازشوں سے ہوا اور اس کا اختتام دونوں فریقین کی صفائی قلب پر اور دونوں بزرگوں کی نیک نیتی پر مبنی تھا۔

مسند احمد میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس جنگ کی وجہ سے ندامت کرتی رہیں اور جب اس جنگ کا خیال آتا تو زار زار رونے لگتیں اور فرماتی کہ کاش آج سے بیس برس پہلے میں اس دنیا سے اُٹھ گئی ہوتی۔ (ملاحظہ کیجئے مسند احمد بن حنبل)

اس جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کے بجائے کوفہ کو دارالخلافہ بنا دیا۔ جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں معزول کرنا چاہا لیکن وہ معزول نہ ہوئے بلکہ آپ کو خلافت سے ہٹانے کیلئے تیاری کرنے لگے۔

چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، جس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

جن لوگوں نے حضرت ابوبکر و عمر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ اس کے بعد کسی کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار صحابہ کو ہے۔ ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا اس سے بزورِ قوت بیعت لی جائے گی۔ مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ عافیت و سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ قاتلین عثمان کو آزمت بناؤ۔ بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو، میں اِن شاءَ اللہ قرآن و حدیث سے اس کا فیصلہ کروں گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ پیغام ملا تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا اور اس خط کا جواب لکھ کر بھیج دیا۔ آپ نے جواب دیا:۔

خلیفہ عثمان تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل ہوئے تم ان کے گھر کا شور سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کرتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمان کو پناہ دی۔ جو اس وقت بھی تمہارے قوتِ بازو اور مشیر کار ہیں۔ اگر تم قاتلینِ عثمان کو قصاص کیلئے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تمہاری بیعت کیلئے تیار ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو ہمارے پاس تمہارے لئے جواب صرف تلوار ہے۔ خدا کی قسم ہم بحر و بر سے بھی عثمان کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود اپنی جان قربان کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ عثمان کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب ہنگامہ زیادہ ہوا تو میں خانہ نشین ہوگیا۔ قاتلین عثمان کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آئے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ (ملاحظہ کیجئے اخبار الطوال، صفحہ ۱۷۲۔۱۷۳)

ان تشویشناک حالات کے بعد جب باہمی اتفاق کی کوئی صورت نہ بنی تو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ سے اپنی فوج لے کر بڑھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے اپنی فوج لے کر بڑھے۔ دونوں مسلمان فوجوں کا صفین کے مقام پر کئی روز تک خونریز معرکہ ہوا۔ یہ جنگ 'جنگ صفین' کے نام سے مشہور ہوئی۔ فریقین پوری قوت کے ساتھ ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ اس جنگ میں تقریباً ۴۵ ہزار شامی اور تقریباً ۲۵ ہزار عراقی باہم کام آئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں اور لاکھوں بچے یتیم ہوگئے۔ آخرکار یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام کو پلٹ گئیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں مصر اور شام تھے۔ اسکے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر اثر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک معاہدہ کے تحت صلح کر لی۔ صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا حصہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں رہا۔ (ملاحظہ کیجئے فتوح البلدان بلاذری)

مسلمانو! خلافت اصحاب ثلاثہ کے زمانے میں فتوحاتِ اسلامیہ کا جو سنہری باب رقم ہو رہا تھا۔ بدنصیبی سے سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں کی باہمی اختلافات کی وجہ سے تعطل کا شکار ہونے لگا۔ آپ کا دورِ خلافت ابتداء ہی سے خانہ جنگی اور باہمی جھگڑوں میں گزرا۔ آپ کو صحیح معنوں میں ایک دن بھی ملک کے نظام کو بہتر بنانے اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ بدنصیبی سے اہل اسلام کی تمام تر توانائیاں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صَرف ہونے لگیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ہونے والے معاہدے کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ تشریف لائے تو ایک جماعت جو خارجی کہلاتی تھی آپ کے خلاف ہوگئی اور آپ کی فوج سے الگ ہوکر آپ کی خلافت کا انکار کردیا اور لا حکم الا اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حکم نہیں (یعنی فیصلہ کرنے والا صرف اللہ ہے) کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کی جماعت سے خارج ہوگئے۔ ان خارجیوں نے امیر المؤمنین کی شانِ اقدس میں کھل کر گستاخیاں کیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو سمجھایا۔ بہت سے خوش نصیب توبہ کرکے دوبارہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر میں آگئے مگر بعض بد بخت، سیاہ باطن اپنے گستاخانہ نظریات پر ڈٹے رہے۔ جو یہودی ابن سباء کے مذموم مقاصد کو آگے بڑھا کر اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہروان کے مقام پر ان خارجیوں سے زبردست مقابلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی دی اور چند خارجیوں کے سوا باقی تمام آپ کی فوج کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔ ان زندہ بچ جانے والوں میں عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر خارجیوں کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ تینوں بد بخت مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور اس بات پر افسوس کرنے لگے کہ کاش ہم اپنی جانوں پر کھیل کر علی، معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کردیتے تو کتنا اچھا ہوتا پھر انہوں نے ایک منصوبہ بنایا۔ ابن ملجم جو مصر کا رہنے والا تھا کہنے لگا کہ علی کو میں قتل کروں گا۔ برک بن عبداللہ بولا معاویہ کو میں قتل کروں گا۔ عمرو بن بکیر بولا کہ عمرو بن العاص کو میں قتل کروں گا۔

اس کے بعد تینوں نے بیٹھ کر وعدہ کیا کہ یہ واردات ایک ہی وقت میں سترہ رمضان کو نمازِ فجر کے وقت کی جائے گی۔

اس مذموم سازش کے بعد تینوں اپنی اپنی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے کوفہ آیا۔ برک بن عبداللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کیلئے شام روانہ ہوا۔ عمرو بن بکیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کیلئے اپنی منزل پر روانہ ہوا۔ ابن ملجم نے ایک اور خارجی ساتھی کو اپنے ساتھ شامل کرلیا اور پروگرام کے مطابق ۱۷ رمضان المبارک کو ابن ملجم اپنے ساتھی کے ہمراہ راتوں رات کوفہ میں داخل ہوا اور مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ فجر کی اذانیں شروع ہوئیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ فجر کی ادائیگی کیلئے مسجد میں تشریف لائے۔ جیسے ہی آپ مسجد میں داخل ہوئے گھات لگا کر بیٹھے ہوئے خارجی ابن ملجم اور اس کے ساتھی نے آگے بڑھ کر پوری قوت کے ساتھ آپ کی نورانی پیشانی پر وار کیا اور چلا کر کہنے لگا لا حکم الا اللہ حکم صرف اللہ کا ہے۔ تلوار کا زخم اس قدر شدید تھا کہ آپ انتہائی زخمی ہوگئے۔ ابن ملجم کا ساتھی بھاگ گیا مگر ابن ملجم پکڑا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، اگر اس زخم سے میں مر جاؤں تو تم بھی اسی کی تلوار سے اسی طرح وار کر کے اسے مار دینا۔ آخرکار امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۱ رمضان کو اس زخم کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ آپ کی زبانِ اقدس پر جو آخری کلام جاری ہوا وہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تھا۔

امیر المؤمنین سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت چار سال آٹھ ماہ اور نو دِن تھی۔ آپ کا مزارِ اقدس کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ وہ نجف اشرف (عراق) میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد خارجی ابن ملجم کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حاضر کیا گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ اب تو دوزخ کی سیر کر یہ کہہ کر آپ نے تلوار اُٹھائی اور ایک ہی وار میں اس کو قتل کر دیا۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء، نور الابصار، ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون)

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ کا قتل

برک بن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا عہد کیا تھا۔ چنانچہ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق سترہ رمضان کو عین نمازِ فجر کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معمولی سا زخم آیا آپ نے فوراً اسے گرفت میں لے لیا۔ برک بن عبداللہ نے کہا اے امیر معاویہ میں تمہیں ایک خوشی کی خبر سناتا ہوں مگر مجھے رہائی دے دینا۔ خوشخبری یہ ہے کہ آج ہی نمازِ فجر کے موقع پر میرے ایک ساتھی نے حضرت علی کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ برک بن عبداللہ نے اپنے ناپاک منصوبے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگاہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر افسوس ہوا اور آپ نے ابن ملجم کے اس ساتھی کو قتل کر دینے کا حکم دیا اس طرح برک بن عبداللہ کو قتل کر دیا گیا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکیر کا قتل

اسی رات عمرو بن بکیر صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے چھپ کر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس رات حضرت عمرو بن العاص کی طبیعت ناساز تھی لہٰذا آپ اس رات نماز پڑھانے مسجد میں نہیں آئے بلکہ اپنے ایک فوجی افسر کو نماز پڑھانے مسجد روانہ کر دیا۔ خارجی عمرو بن بکیر نے اسے عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا۔ لوگوں نے اسے فوراً گرفتار کر لیا اور حضرت عمرو بن العاص کے سامنے حاضر کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندہ دیکھ کر خارجی عمرو بن بکیر کہنے لگا کہ اے عمرو بن العاص میں نے تمہارے شبے میں اسے قتل کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے خارجی عمرو بن بکیر کو قتل کروا دیا۔
اس طرح یہ تینوں ملعون اپنے ٹھکانے پہنچ گئے۔ (ابن خلدون)

دوسرے امام سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بڑے نواسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے اور خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر ہیں۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۵ رمضان ۳ھ کو ہوئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی ولادت کی اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور خوشی خوشی گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا، میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت بھری آغوش میں دے دیا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زرد رنگ کا کپڑا دیکھ کر فرمایا، میرے بیٹے کو زرد رنگ کے کپڑے میں مت لپیٹا کرو چنانچہ اسی وقت سفید کپڑے میں آپ کو لپیٹ دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بچے کا نام کیا رکھا جائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے اس کا اختیار آپ کو ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں وحی کا منتظر ہوں۔ اتنے میں حضرت جبریل امین سبز کپڑے پر منقش آپ کا نام لے کر حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اس صاحبزادے کی پیدائش پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس بچے کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے شبر کا نام رکھو جس کے معنی ہیں 'حسن'۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا۔ (نزہۃ المجالس)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا یہاں ایک بچہ ہے۔ یہاں ایک بچہ ہے۔ اس بچے سے مراد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اتنے میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گلے لگا لیا اور وہ بھی آپ سے لپٹ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح ارشاد فرمانے لگے، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو شخص اس سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت فرما۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر سے لے کر سینہ تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم شکل نہ دیکھا۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قریش اور دیگر قبیلے کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔آپ نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ ماں اور باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور ماموں نانا اور نانی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے۔ حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے، یہ سب سے افضل ہیں۔ ان کے والد امیر المؤمنین حضرت علی، ان کی والدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ بنتِ رسول، ان کی نانی اُم المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد، ان کے نانا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ان کے چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت کی سیر کر رہے ہیں اور پھوپھی حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب ہیں۔ ان کے ماموں اور خالائیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔ پھر حضرت مالک بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، کیا میں نے صحیح کہا؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔

(ملاحظہ کیجئے برکاتِ آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ سال تک اپنے پیارے نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی۔آپ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت بلند ہے۔آپ کا زہد و تقویٰ بہت زیادہ تھا۔آپ نے تین مرتبہ آدھا مال اور دو مرتبہ پورا مال راہِ خدا میں خرچ کیا۔آپ سخاوت میں بے مثال تھے۔اکثر آپ ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے آپ نے بغیر سواری کے ۲۵ مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ حالانکہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ہمراہ ہوتے لیکن آپ ان پر سوار نہ ہوتے بلکہ پیدل چل کر راستہ طے کرتے۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ الخلفاء)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس لاڈلے نواسے کے بارے میں ارشاد فرمایا، میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری شریف، جلد اوّل صفحہ ۵۳۰)

مسلمانوں کی وہ دو بڑی جماعتیں کون سی ہیں جو آپس میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے اصلاح کریں گی۔ آیئے اس حقیقت کو بھی جان لیتے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت لوگوں نے آپ سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانشینی کے بارے میں پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں نہ حکم دیتا ہوں اور نہ ہی منع کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رمضان کے مہینے میں آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام و مصر کے علاوہ تمام اسلامی سلطنت کو اپنے زیرِ اثر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ نے بارہ ہزار کی فوج تیار کر کے ان کے مقابلے کیلئے بھیجا اور خود بھی ایک فوج لے کر پیچھے سے روانہ ہو گئے۔

جب آپ ساباط پہنچے تو آپ کو یہ غلط اطلاع ملی کہ بارہ ہزار کی جو فوج آپ نے پہلے روانہ کی تھی اس کے سپہ سالار مدائن میں قتل کر دیئے گئے۔ اس افواہ سے آپ کے ہمراہ جانے والی فوج میں افراتفری پھیل گئی اور فوج گھبرا کر بکھرنے لگی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حقیقت کا اندازہ لگالیا کہ فوج جنگ کرنے سے گریز کر رہی ہے لہٰذا آپ نے ایک تقریر فرمائی لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے بچنا چاہتے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں اس لئے میں تم کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا۔

اسلام دشمن خارجی جو ہر وقت مسلمانوں کو باہم لڑانا چاہتے تھے۔ جن کی ایک جماعت اس وقت اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے عراقی فوج میں شامل تھی اس نے جب یہ سنا تو کہنے لگے کہ حسن بھی اپنے باپ کی طرح نعوذ باللہ کافر ہو گئے۔ ان خارجیوں نے سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ کے جانثاروں نے خارجیوں کا گھیرا توڑا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک اسلام دشمن خارجی جو آپ کی تاک میں پیچھا کر رہا تھا۔ لپک کر حملہ کر دیا جس سے آپ معمولی زخمی ہوئے۔ خارجی پکڑا گیا اور اسے وہیں واصلِ جہنم کر دیا۔ آپ مدائن پہنچے اور زخم اچھا ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے۔

جب آپ کا زخم اچھا ہو گیا تو آپ شامی فوج سے مقابلے کیلئے اپنی فوج کے پاس پہنچے جو پہلے سے اگلے مورچے پر موجود تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی فوج کا لشکر لے کر پہنچ چکے تھے۔ دونوں اسلامی فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑی تھیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جو آپ نے بارہ ہزار کی فوج تیار کی تھی وہ کٹنے اور مرنے کیلئے بالکل تیار تھی اس کے علاوہ چالیس ہزار کوفی بھی آپ پر مر مٹنے کیلئے تیار تھے لیکن اس کے باوجود نواسۂ رسول سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا ملک کا دامن تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ لہٰذا انتہائی سوچ سمجھ کر اور ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے آپ چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور آپ نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس طرح مسلمانوں کی دونوں فوجیں خون خرابہ سے بچ گئیں۔ مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو بہت پہلے اپنے لاڈلے نواسے کے بارے میں غیب کی خبر دی تھی وہ حرف بہ حرف دُرست ثابت ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ حق کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیتے تو مزید تصادم ہو جاتا جس سے ہزاروں مسلمان آپس میں مارے جاتے۔ ہزاروں مسلمان عورتیں بیوہ تو لاکھوں بچے یتیم ہو جاتے۔ اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر جاتا لیکن سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک مزاجی کی وجہ سے مسلمانوں میں باہم خونریزی کی ضرورت پیش نہ آئی۔

کسی بھی حکومت کے حکمرانوں کے کارنامے، فوجوں کی کثرت، ملک کی معاشی و خوشحالی ترقی، سائنسی و ٹیکنالوجی کی ترقی، فتوحات کی وسعت سے جانچے جاتے ہیں اس سے زیادہ اور کوئی کارنامہ نہیں لیکن سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کیا جو سب سے مختلف تھا۔ آپ نے نہ قومی خزانہ جمع کیا اور نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی بلکہ آپ نے اپنی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا تو دوسرا جبرالٹر (یورپ) یہ سارا کا سارا حصہ مسلمانوں کے خون سے بچنے اور پوری اُمت کی فلاح اور اصلاح کیلئے چھوڑ دیا۔ آپ کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل ہی سے تاریخ میں ملتی ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بھی واضح ہوا کہ صلح کرنے والے دونوں گروہ مسلمان ہونگے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صحابہ کے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کرے۔ جیسا کہ اسلام دشمن قوتیں ہمیشہ اس کوشش میں رہی ہیں کہ کسی طرح اہل بیت اور صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اس اختلاف کو غلط رنگ دے کر مسلمانوں کو ٹکڑوں میں کر دیا جائے۔ آج بھی یہودی ابن سباء کے آلہ کار صحابہ کرام اور اہل بیت کے درمیان غلط فہمی پیدا کر کے سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کھل کر گستاخیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ کسی صحابی کی ادنیٰ سی توہین کرنا اہل ایمان کیلئے جائز نہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

خلافت سے دستبرداری کے نو سال کے بعد ۵۰ھ میں مدینہ منورہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا۔ کسی دشمن نے آپ کو زہر کھلا دیا۔ بعض لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ ہے کہ یہ زہر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارے پر دیا گیا لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ ان کے خلاف اسلام دشمن قوتوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ آپ کی خلافت تقریباً سات ماہ رہی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

تیسرے امام سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھوٹے نواسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اور خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے اور سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کی ولادت ۵ شعبان ۴ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا۔ پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا۔ (ملاحظہ کیجئے صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸)

سریانی زبان میں شبر و شبیر اور عربی میں حسن و حسین دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام بہت بلند ہے جس کا اندازہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتہائی پیار ہے اسی لئے فرمایا کہ حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں گویا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ حضرت حسین سے دوستی حضور سے دوستی اور حسین سے دشمنی حضور سے دشمنی ہے۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی اُنگلیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں ڈال دیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا اور ارشاد فرمایا، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اس سے محبت کرے۔ (ملاحظہ کیجئے نور الابصار، صفحہ ۱۱۶)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، جس نے حسین سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔

(ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۷۱)

ایک مرتبہ کمسنی کے زمانے میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کشتی لڑ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب بیٹھے یہ کشتی ملاحظہ فرما رہے تھے تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حسین کو پکڑلو۔ خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو عرض کرنے لگیں ابا حضور آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑلو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوسری طرف جبریل امین حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑلو۔

(ملاحظہ کیجئے نور الابصار، صفحہ ۱۱۴)

سبحان اللہ! کیا مقام ہے سیّدنا حضرت امام حسن اور سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کہ ان کی کشتی میں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے الشرف المؤبد، صفحہ ۶۵)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۷۰)

ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا، حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۷۰)

مذکورہ بالا دلائل سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و رُتبے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے۔ آپ کثرت سے نماز، روزہ، حج اور صدقات اور دیگر اُمورِ خیر ادا کرتے تھے۔ آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ۲۵ بار پیدل چل کر حج کی سعادت حاصل کی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

آپ کے بچپن ہی میں آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چچی اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایکدن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا معاملہ ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبریل امین آئے اور انہوں نے یہ خبر پہنچائی، میری اُمت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا پھر جبریل میرے پاس اس شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (ملاحظہ کیجئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۷۲)

ایک مرتبہ بارش کا فرشتہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں تھے اور آپ ان کو پیار کر رہے تھے۔ فرشتہ عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا آپ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پیار کرتے ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ فرشتہ عرض کرنے لگا آپ کی اُمت حسین کو قتل کردے گی اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ کی مٹی آپ کو دکھادوں۔ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا جسے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روایت کے مطابق حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کردیا گیا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے مٹی کو شیشی میں بند کردیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن خون ہوگئی۔ (ملاحظہ کیجئے صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتبہ شہادت سے سرفراز ہونا لکھا جا چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لاڈلے نواسے کو شہادت سے بچانے کی دعا نہ کی اور نہ ہی آپ کے والد محترم سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور والدہ محترمہ سیّدہ خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر دل پارہ پارہ ہو چکا ہے آپ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ امام حسین کو اس حادثے سے محفوظ رکھے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بچانا ہی مقصود ہوتا تو آپ کے ایک ہی اشارے سے کائنات کا نقشہ بدل جاتا۔ اس طرح آپ اس سعادت سے محروم رہ جاتے۔

یہاں بعض جاہل یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لاڈلے نواسے ہیں جب حضور اپنے نواسے کی جان بچا کر مدد نہیں کر سکے تو دوسرے غوث و قطب اولیاء کرام عام لوگوں کی مدد کیا کر سکتے ہیں!

اعتراض کرنے والے ان جاہلوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں اپنی جان بچانے نہیں بلکہ اپنی جان دے کر اسلام کو بچانے گئے تھے۔ اگر انہیں جان بچانا ہی مقصود ہوتی تو آپ اپنی جان بچانے کیلئے تھوڑی دیر کیلئے یزید کی بیعت کر لیتے مگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی بلکہ اپنی جان دے کر رہتی دنیا تک حق کا بول بالا کر دیا۔ یقین جانئے سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ایسی اٹل حقیقت ہے جو کسی صورت میں ٹالی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ مخبر صادق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ظاہری حیات ہی میں اپنے پیارے نواسے کی شہادت کی خبر دے چکے تھے کہ میرے اس بیٹے کو میری اُمت شہید کر دیگی اور پھر جبرائیل علیہ السلام نے بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کربلا کی مٹی لا کر دکھا دی تھی۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود جو لوگ حضرت امام کی شہادت پر اعتراض کرتے ہیں وہ قطعی جاہل، جھوٹے اور کاذب ہیں۔

یزید سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا تھا اور وہ ۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ یزید کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک فاسق و فاجر، شرابی، بدکار، ظالم اور بے ادب شخص تھا۔ باپ کی زندگی تک اس کا فسق اور ظلم ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید نے پوچھا ابا جان آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خلیفہ تو ہی ہوگا مگر جو کچھ کہوں اسے غور سے سن۔ کوئی کام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کے بغیر مت کرنا۔ انہیں کھلائے بغیر نہ کھانا۔ انہیں پلائے بغیر نہ پینا۔ سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا پھر کسی اور پر۔ پہلے انہیں پہنانا پھر خود پہننا۔ میں تجھے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے گھر والوں، ان کے کنبے بلکہ سارے بنی ہاشم کیلئے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اے بیٹے! خلافت اپنا حق نہیں وہ امام حسین، ان کے والد علی اور ان کے اہل بیت کا حق ہے۔ تم چند روز خلیفہ رہنا پھر جب حضرت امام حسین پورے کمال کو پہنچ جائیں تو پھر وہی خلیفہ ہوں گے یا جسے وہ چاہیں تاکہ خلافت اپنی جگہ پہنچ جائے۔ ہم سب امام حسین اور ان کے نانا کے غلام ہیں انہیں ناراض نہ کرنا ورنہ تجھ پر اللہ اور رسول ناراض ہوں گے تو تیری شفاعت پھر کون کرے گا۔ (ملاحظہ کیجئے نور العین فی مشہد الحسین از علامہ ابو اسحٰق۔ امیر معاویہ پر ایک نظر، صفحہ ۹۶)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا اس نے اپنے والد کی تمام باتیں یکسر نظر انداز کر دیں اور فوری طور پر بیعت کیلئے خطوط و حکم نامے جاری کئے۔ ایک حکم نامہ حاکم مدینہ کے نام جاری کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت لی جائے۔ لہٰذا بیعت کا پیغام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا گیا۔ آپ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر یزید کی بیعت نہ کی تو وہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا لیکن آپ کی ایمانی غیرت اور تقویٰ اور پرہیزگاری نے یہ اجازت نہ دی کہ اپنی جان بچانے کی خاطر ایک فاسق اور فاجر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور نواسۂ رسول ہو کر اسلام کی تباہی کی پرواہ نہ کریں۔ لہٰذا آپ اس کی بیعت پر آمادہ نہ ہوئے جس کی وجہ سے یزیدیوں نے محرم کی دسویں تاریخ کو ۶۱ھ میں کربلا کے مقام پر بڑی بے دردی سے سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے گھر والوں کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک ۵۶ سال ۵ ماہ اور ۵ دن کی تھی۔ آپ کا روضۂ پاک عراق میں ہے۔

یزید اسی جرم کا مرتکب نہیں کہ اس نے خاندانِ نبوت کے جگر پاروں کو تین دن تک میدانِ کربلا میں بھوکا پیاسا رکھ کر انتہائی بے دردی سے شہید کروایا بلکہ وہ اس بات کا بھی مجرم ہے کہ اس نے اپنے دورِ اقتدار میں حرمین شریفین مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی کرائی۔ مقدس مساجد میں اپنے لشکر کے گھوڑے بندھوائے۔ ان کی لید اور پیشاب سے منبر آلودہ ہوئے۔ تین دن مسجد نبوی میں اذان اور نماز نہ ہوئی۔ ہزار ہا صحابہ، تابعین کو قتل کروا دیا۔ خانہ کعبہ پر پتھر برسوائے۔ غلاف کعبہ پھاڑ کر جلا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ کی نیک سیرت اور پاکدامن خواتین اپنے لشکر کیلئے جبراً حلال کر دیں۔

بعض جہلا کہتے ہیں کہ یزید اُمت کے صالحین میں تھا اور نیک، پرہیزگار اور امام عادل تھا۔ جو لوگ یزید کو نیک، صالح اور متقی شمار کرتے ہیں وہ بطورِ دلیل بخاری شریف کی ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے۔ (بخاری شریف، جلد اوّل صفحہ ۴۱۰)

یزیدیوں کا کہنا ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے لہٰذا وہ بخشا ہوا اور پیدائشی جنتی ہے اور امام حسین کا ایسے بخشے ہوئے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا بغاوت ہے اور اس پورے فساد کے ذمے دار امام حسین ہیں۔ (نعوذ باللہ)

مسلمانو! یزیدیوں کے اس اعتراض کا جواب ذرا توجہ کے ساتھ سنئے اور اپنے عقائد اور نظریات کو مضبوط کیجئے۔ قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جس پہلے اسلامی لشکر نے حملہ کیا اس میں یزید ہرگز نہیں تھا۔

پہلی دلیل...... تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ یزید کا سپہ سالار بننا تو دُور کی بات ہے وہ تو سرے سے اس لشکر میں شامل ہی نہیں تھا۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ ابن خلدون جلد ۳)

دوسری دلیل...... صحاح ستہ کی مشہور اور معتبر کتاب ابوداؤد شریف میں ہے، قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے اور ان کیساتھ حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) (ابوداؤد شریف، ص ۳۴۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا انتقال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا۔ (ملاحظہ کیجئے البدایہ والنہایہ، جلد ۸ صفحہ ۳۱۔ کامل ابن اثیر، جلد ۳ صفحہ ۲۲۹۔ اسد الغابہ، جلد ۳ صفحہ ۴۴۰)

معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالد نے قسطنطنیہ پر حملہ ۴۶ھ یا ۴۷ھ سے پہلے کیا تھا۔ اب جاننا یہ ہے کہ یزید ۴۶ھ سے پہلے قسطنطنیہ کے حملے میں شامل تھا؟ اس کے بارے میں محققین کا قول ہے کہ یزید اس سے پہلے حملے میں نہیں تھا۔ آخر یزید قسطنطنیہ کے کس حملے میں شامل تھا تو اس کے بارے میں چار قول ملتے ہیں:۔ ۴۹ھ، ۵۰ھ، ۵۲ھ، ۵۵ھ۔ (ملاحظہ کیجئے البدایہ والنہایہ عینی شرح بخاری، جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۸۔ کامل ابن اثیر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۱)

معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ پر پانچ مرتبہ حملے ہوئے اور یزید ۴۹ھ سے ۵۵ھ تک ہونے والی مختلف جنگوں میں سے کسی ایک جنگ میں شریک ہوا ہے خواہ وہ سپہ سالار کی حیثیت سے شریک ہوا ہو یا سپاہی کی حیثیت سے۔ بہرحال پہلے جہاد میں یزید شامل نہیں تھا۔ لہٰذا یزید حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں داخل نہیں جب پہلے لشکر میں شامل نہیں تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارت کا بھی مستحق نہیں۔ ایسا فاسق و فاجر شخص تو سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی مدح میں اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا، اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے پلیدی کو دُور کرنے کا اور خوب پاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔

سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرمانِ خداوندی کی چلتی پھرتی تفسیر اور اپنے پیارے نانا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس جمیل اور عملی تصویر تھے۔ ایسی عظیم ہستی کو بغاوت اور دنیاوی لالچ کے حصول کے ساتھ منسوب کرنا قرآن وسنت کو چیلنج کرنا ہے۔

مسلمانو! اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو پہلا لشکر تھا اس میں یزید بھی تھا لہٰذا وہ بخشا ہوا ہے تو ذرا سوچئے کہ حدیث میں تو یہ بھی ہے، جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ (ترمذی، جلد ۲ صفحہ ۹۷)

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ماہِ رمضان میں جو روزہ دار کو افطار کرائے اس کے گناہوں کیلئے مغفرت ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ ۱۷۳)

اگر یزید کو بخشا ہوا مان لیا جائے تو مصافحہ کرنے والے اور افطار کرانے والے بھی بخشے ہوئے جنتی ہوئے۔ اب اگر وہ کسی کو قتل کریں یا زنا کریں یا اگر وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا نہ کریں تو کیا وہ سزا کے مستحق نہیں ہونگے؟ یقیناً ہونگے۔ وہ یزید جس نے خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی، مسجدِ نبوی اور روضہ اطہر کے تقدس کو پامال کیا۔ ہزار ہا مقدس ہستیوں کو ناحق قتل کیا۔ یہاں تک کہ اہل بیت کو تین دن بھوکا پیاسا رکھوا کر ذبح کرڈالا تو کیا ایسا فاسق وفاجر معاف ہوجائے گا؟ ہرگز نہیں۔

چوتھے امام حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں۔ میدانِ کربلا میں آپ کے سوا اہل بیت کے سارے مرد شہید ہو چکے تھے۔ قدرت کو یہ منظور تھا کہ نسل امام حسین قیامت تک باقی رہے چنانچہ اس مقصد کیلئے حضرت سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔

آپ ۳۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ حضرت شہر بانو کے بارے میں آتا ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران سے گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ جب ایران فتح ہوا تو ایران کے بادشاہ یزدگرد کی تین لڑکیاں گرفتار ہوئیں اور مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کیا اور باہمی مشاہدات سے ان تینوں شہزادیوں میں سے ایک شہزادی کو حضرت سیّدنا امام حسین، دوسری کو حضرت محمد بن ابوبکر اور تیسری کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نکاح میں دے دیا گیا چونکہ شہزادی شہر بانو کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دیا گیا تھا لہٰذا آپ کے بطن اطہر سے حضرت سیّدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

واقعۂ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر روتے رہی رہتے۔ لوگوں نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ ہم آپ کے قدموں میں جان قربان کرنے کیلئے بیعت کرنے آئے ہیں تو آپ نے فرمایا، اللہ کے واسطے مجھے معاف کرو میرے سینے میں اس قدر زخم لگ چکے ہیں کہ اب مزید کی گنجائش نہیں۔ مجھے خلافت اور حکومت کے نام سے وحشت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت عبادت گزار تھے۔ ایک دن آپ نمازِ تہجد ادا کر رہے تھے کہ شیطان ابلیس ایک سانپ کی شکل میں نمودار ہوا اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز میں وسوسہ ڈالنے لگا، آپ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا منہ میں ڈال دیا، آپ نے پھر بھی توجہ نہ دی پھر سختی کے ساتھ اس نے کاٹ لیا جس سے آپ کو شدید تکلیف ہوئی مگر نماز نہ توڑی نماز مکمل کرنے کے بعد آپ نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے۔ چنانچہ آپ نے سختی کے ساتھ اسے ڈانٹا اور بھاگ جانے کو کہا۔ جب سانپ چلا گیا تو آپ نے دوبارہ نماز شروع کی اسی دوران غیب سے آواز آئی:

انت زین العابدین انت زین العابدین (شواہد النبوۃ)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو فرماتے تو آپ پر کپکپی سی طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نماز میں کس کے حضور حاضر ہونا ہے یعنی یہ حالت اللہ تعالیٰ کے حضور حالتِ نماز میں کھڑے ہونے کی وجہ سے تھی۔

ایک مرتبہ آپ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی آپ سجدہ ہی میں رہے لوگوں نے بہت شور مچایا، اے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بیٹے ! اے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بیٹے ! آگ لگ گئی، آگ لگ گئی۔ پھر بھی آپ سجدہ میں رہے اور سر نہ اُٹھایا۔ جب آگ ٹھنڈی ہوگئی تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہے؟ آپ نے جواب دیا، محشر کی آگ کے خوف سے یہ آگ بھول گیا۔ (بارہ امام، صفحہ ۵۸)

ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں ایک عورت اور ایک مرد کا ہاتھ حجرِ اسود سے چمٹ گیا ہر طرح سے چھڑانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ چمٹے رہے لوگوں نے یہ حال دیکھ کر مشورہ دیا کہ ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ کچھ ہی دیر کے بعد آپ وہاں آگئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر پھیرا تو ان کے ہاتھوں کو رہائی مل گئی پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ایک روایت کے مطابق ۲۵ محرم ۹۵ھ کو ہوا اور آپ نے ستاون برس عمر پائی۔
(جلاء العیون، جلد ۲)

آپ کی بیوی کا نام فاطمہ بنت امام حسن تھا۔ ایک روایت میں آپ کے چھ اور دوسری روایت میں بارہ بیٹے تھے جن سے آپ کی نسل چلی اور چار بیٹیاں ہیں۔ بارہ بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) امام محمد باقر (۲) ابوالحسن (۳) زید (٤) عمر (۵) عبداللہ (٦) حسن (۷) حسین (۸) اصغر (۹) عبدالرحمٰن (۱۰) سلمان (۱۱) علی اصغر (۱۲) محمد اصغر۔

پانچویں امام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اور سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت ۳ صفر بروز جمعہ ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت فاطمہ بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ اس طرح آپ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے۔ آپ کا نام محمد اور لقب باقر ہے۔ باقر کا معنی پھاڑنا، چیرنا یا کھولنا ہے اور آپ باقر العلوم یعنی علوم کے حقائق کو کھول کر بیان کر دینے والے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ ظاہری میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا، تم میرے اس فرزند کو پاؤ گے جس کا لقب باقر ہے۔ (جلاء العیون)

ایک موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا، اے جابر! شاید تو حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اس بیٹے (یعنی پوتے) سے ملاقات کرنے کیلئے زندہ رہے جس کا نام محمد ہے۔ وہ علمِ دین کی خوب خوب اشاعت کرے گا۔ جب تیری اس سے ملاقات ہو اسے میرا سلام کہنا۔

مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا اظہار اس طرح ہوا کہ حضرت سیّدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ صحابیٔ رسول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کیلئے ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ انتہائی بوڑھے اور آنکھوں سے نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دیکر پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں حسین کا بیٹا محمد باقر ہوں تو انہوں نے فرمایا، اے میرے بیٹے! میرے قریب آؤ۔ جب میں اُن سے قریب ہوا تو انہوں نے میرے ہاتھوں کو عالمِ عقیدت میں چوم لیا پھر پاؤں چومنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے منع کیا تو انہوں نے فرمایا، اے محمد باقر! پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا: والسلام علیٰ رسول اللّٰہ و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ دربارِ نبوی میں میرا ذکر کس طرح ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا، ایک دن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا، اے جابر! ہوسکتا ہے کہ تمہاری ملاقات میرے ایک فرزند سے ہو اس کا نام محمد بن علی (زین العابدین) بن حسین ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کو انوارِ علم و حکمت سے نوازے گا۔ جب تم اسے ملو تو اس کو میرا سلام کہنا۔ (شواہد النبوۃ)

ایک راوی کا قول ہے میں نے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی تو لوگوں نے کہا جلدی نہ کرو۔ ان کے پاس ابھی بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابھی وہ باہر نہ نکلے تھے کہ بارہ افراد جو قبا زیب تن کئے اور ہاتھ اور پاؤں میں موزے پہنے ہوئے باہر آئے انہوں نے سلام کیا اور چلے گئے۔ بعد میں مَیں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا حضرت! یہ کون لوگ تھے جو ابھی آپ کے پاس سے اُٹھ کر گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ تمہارے بھائی جنات ہیں۔ میں نے پوچھا، کیا آپ انہیں دیکھ لیتے ہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا ہاں! جس طرح تم حرام اور حلال کے بارے میں پوچھتے ہو اسی طرح وہ بھی آ کر پوچھتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ چند لوگوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے اپنا سر نیچے جھکا لیا اور پھر اوپر اُٹھا کر فرمایا کہ تمہاری حالت یہ ہوئی کہ کسی وقت کوئی شخص مدینہ میں چار ہزار افراد کے ہمراہ آ کر تین دن مسلسل قتل و غارت گری کرے گا پھر قتل کرنے والوں کو قتل کرے گا اور تمہارے لئے بڑے مصائب پیدا کرے گا جس کا حل تمہارے بس میں نہ ہو گا یہ بات یقین سے تسلیم کر لو۔ لیکن اہل مدینہ نے آپ کی باتوں پر غور نہ کیا اور چند افراد کے علاوہ سب نے کہا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ بنی ہاشم کو اس بات کا یقین تھا کہ آپ جو فرما رہے ہیں وہی ہو گا۔ چنانچہ اگلے سال حضرت امام باقر بنی ہاشم کے ہمراہ مدینے سے باہر چلے گئے آپ کے چلے جانے کے بعد وہی کچھ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ اس واقعہ کے بعد لوگوں نے کہا کہ اب حضرت امام باقر جو بھی کہیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ وہ اہل بیت میں سے ہیں جو غلط بیانی نہیں کرتے۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی تاریخ میں اختلاف ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ کا انتقال ۱۱۴ھ کو ہوا۔ عمر ستاون برس کی تھی۔ آپ کی قبر انور جنت البقیع میں سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں دونوں بیویوں سے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ آپ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت قاسم (۴) حضرت حسّش (۵) حضرت ابراہیم

(۶) حضرت ابوتراب (۷) حضرت زید (۸) حضرت ثابت۔ (رحمۃ اللہ علیہم) (ریاض الانساب، صفحہ ۳۰۷)

چھٹے امام سیّدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام محمد باقر کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ کا نام اُم فردہ بنت قاسم تھا۔ آپ کا اسم گرامی جعفر اور لقب صادق تھا۔ آپ کی تاریخ پیدائش ایک قول کے مطابق یکم رجب بروز پیر ۸۳ھ ہے لیکن مشہور سترہ ربیع الاوّل ۸۳ھ ہے آپ کی بیوی کا نام حمیدہ تھا۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند پایہ بزرگ اور عزت و عظمت کے بلند ترین مرتبے پر فائز تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا، اے ابوحنیفہ بتاؤ دانشمند کسے کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے جو بھلائی اور برائی میں امتیاز کر سکے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے یہ امتیاز تو جانور بھی کر لیتے ہیں کیونکہ جو انکی خدمت کرتا ہے یہ اسے تکلیف نہیں پہنچاتے لیکن جو تکلیف دیتا ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے حضور پھر آپ ہی بتا دیجئے کہ دانشمند کسے کہتے ہیں؟ فرمایا جو دو بھلائیوں میں سے بہتر والی بھلائی کو پسند کرے اور اگر وہ برائیوں میں سے کسی ایک برائی پر عمل کرنا ناگزیر ہو جائے تو نسبتاً کم والی برائی کو اختیار کر لے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے اپنے دربان کو ہدایت کی کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دینا۔ اسی روز امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منصور کے دربار میں آ کر بیٹھ گئے۔ جب امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے گئے تو منصور نے دربان کو بلا کر کہا میں نے تجھے کیا حکم دیا تھا۔ دربان نے کہا اے خلیفہ! خدا کی قسم میں نے امام صاحب کو آتے دیکھا ہی نہیں بس یہی دیکھا کہ وہ تو آپ کے پاس تشریف رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ جا رہے تھے ایک شخص ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں ایک عورت مردہ گائے پر رو رہی تھی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مردہ گائے کو زندہ کر دے؟ عورت بولی آپ ہم سے مذاق کیوں کر رہے ہیں میں تو پہلے ہی مصیبت کی ماری ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تم سے مذاق نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ نے گائے کیلئے دعا فرمائی۔ گائے کے سر اور پاؤں کو پکڑ کر اسے ہلایا وہ گائے جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کیلئے دعا کی اے اللہ! اسے کثرت سے مال دے تاکہ یہ زندگی میں پچاس بار حج کرے۔ چنانچہ اسے اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا اور اس نے اپنی زندگی میں پچاس حج کئے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ وفات بعض نے ۱۵ رجب ۱۴۸ھ لکھا ہے اور بعض نے ۱۰ رجب یا شوال ۱۴۸ھ لکھا ہے۔ عام طور پر مسلمان ۲۲ رجب کو آپکے ایصال ثواب کیلئے کونڈوں کی فاتحہ کرتے ہیں حالانکہ آپ کا یوم وصال ۲۲ رجب نہیں لیکن ایصال ثواب کیلئے وقت اور تاریخ کی کوئی قید نہیں اور ایصال ثواب کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جس کی تفصیل آپ مجھ ناچیز کی کتاب 'آخری منزل' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جائے مدفن مدینہ منورہ جنت البقیع میں ہے اور آپ کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ آپ کے سات بیٹے، تین بیٹیاں اور دو بیویاں تھیں۔ آپ کے بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

حضرت امام موسیٰ کاظم، اسمٰعیل، عبداللہ، اسحٰق، محمد، علی العریض عباس (رحمۃ اللہ علیہم)

ساتویں امام سیّدنا حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام حمیدہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۷ صفر ۱۲۸ھ ہے۔ آپ کا اسمِ گرامی موسیٰ اور لقب کاظم ہے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے جو دعا مانگتے تھے قبول ہوتی تھی۔ آپ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا کرتے تھے۔ آپ بہت بڑے فقیہ اور سخی بھی تھے اس کے علاوہ زہد وتقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۵ سال زندگی پائی۔ بعض بدخواہوں اور حاسدوں نے عباسی خلیفہ ہارون رشید کو آپ کے خلاف بھڑکایا اور خوب خوب کان بھرے۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے بغداد بلایا اور قید کر دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو قید خانہ میں زہر دے دیا گیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ جب آپ کو زہر دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ اس سے میرا سارا بدن زرد ہوجائے گا پھر اس کے اثر سے آدھا بدن سرخ ہوجائے گا اور جب اثر شدید ہوجائے گا تو بدن سیاہی مائل ہوجائے گا پھر میری شہادت ہوجائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا۔ (شواہد النبوۃ)

آپ صاحبِ کرامت اور صاحبِ کشف بھی تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بارش کے موسم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اے شخص فوراً اپنے گھر جا کیونکہ بارش کی وجہ سے تیرے مکان کی چھت گر گئی ہے اور تیرا مال اس کے نیچے دب گیا ہے۔ وہ شخص گھر گیا تو دیکھا چھت گری پڑی ہے۔ اس نے چند مزدور لئے جنہوں نے سامان نیچے سے نکالا۔ صرف ایک طشتری گم ہوگئی جس سے وضو کرتا تھا۔ وہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا اور طشتری کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اسے رکھ کر بھول گئے تھے اور اسے سرائے کے مالک کی کنیز نے اُٹھا کر رکھ لیا ہے۔ وہ شخص گیا اسے طشتری مل گئی۔

ایک قول کے مطابق آپ کا انتقال ۲۴ شوال ۱۸۳ھ اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ رجب ۱۸۶ھ کو ہوا۔ آپ کا مزار بغداد شریف میں مرجع خاص وعام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے ۲۲ بیٹے اور ۳۷ بیٹیاں تھیں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ کے سترہ بیٹے اور ۲۲ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

امام علی رضا۔ زید۔ عقیل۔ ہارون۔ حسن۔ حسین۔ عبید اللہ۔ عبدالرحمٰن۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یحییٰ۔ احمد۔ ابوبکر۔ عمر۔ جعفر اکبر۔ جعفر اصغر۔ حمزہ۔ قاسم۔ عبداللہ۔ عباس۔

آٹھویں امام سیّدنا حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام نامی اسم گرامی علی اور لقب رضا تھا۔آپ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند تھے۔آپ کی والدہ کو کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے جن میں شمانہ، نجمہ اروی، خیزران مشہور ہیں۔

ایک مرتبہ آپ کی دادی حضرت حمیدہ نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ نجمہ کی شادی اپنے بیٹے موسیٰ سے کردو کیونکہ اس کے بطن سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو روئے زمین پر بہترین مولود ہوگا۔ چنانچہ حضرت نجمہ کا نکاح حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا اور ان سے امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ (شواہد النبوۃ)

آپ کی ولادتِ باسعادت مدینہ منورہ میں ایک روایت کے مطابق ۱۱ ربیع الاوّل ۱۵۳ھ کو جبکہ دوسری روایت کے مطابق ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۸ھ کو ہوئی۔

آپ صاحبِ کرامت بزرگ بھی تھے۔آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب میں حاملہ ہوئی تو مجھے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہ ہوتا اور سوتے وقت مجھے اپنے پیٹ میں سبحان اللہ اور اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی مجھ پر ایک ہیبت طاری ہوجاتی اور میں خوف سے بیدار ہوجاتی پھر کوئی آواز سنائی نہ دیتی۔

ایک مرتبہ ابو اسمٰعیل سندی نامی شخص آپ سے ملاقات کیلئے گیا اسے عربی زبان نہیں آتی تھی وہ سندی زبان جانتا تھا اس نے اپنی زبان میں آپ کو سلام کیا آپ نے اسی کی زبان میں اس کو جواب دیا۔اسکے بعد اس شخص نے اپنی زبان میں کئی اور سوال کیے۔ آپ نے ان کے تمام سوالوں کے جوابات اسی زبان میں دیئے پھر وہ کہنے لگا حضور میں عربی زبان نہیں جانتا۔آپ نے اپنا دستِ مبارک اس کے ہونٹوں پر پھیرا اسی وقت عربی میں بات کرنے لگا۔

آپ بہت زیادہ متقی اور پرہیزگار تھے۔آپ کی نیک نامی کی شہرت سے متاثر ہوکر عباسی خلیفہ مامون الرشید نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا مگر مامون الرشید کے ایک نہایت مقرب نے بغض وحسد کی وجہ سے مامون الرشید سے کہا کہ تم نے امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کر کے برا کیا مامون الرشید کو بدخواہ مسلسل اُکساتے رہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حضرت امام سیّدنا علی رضا سے جان چھڑائی جائے چنانچہ دشمنانِ دین کے ورغلانے سے مامون الرشید نے سیّدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا پروگرام بنالیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مختلف کتب سیرت)

۱۳ ذی القعدہ ۲۰۸ھ کو آپ کا انتقال ہوا آپ کا جائے مدفن بغداد ہے۔آپ نے تقریباً ۶۱ سال عمر پائی۔آپ کی ایک بیوی اور چار فرزند اور ایک بیٹی تھی۔بیٹوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

امام محمد تقی۔حسن۔جعفر۔ابو عبدالحسین۔بیٹی کا نام ریحانہ تھا اور بیوی کا نام خیزران تھا۔

نویں امام سیّدنا حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ سیّدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام خیزران تھا۔ آپ کی ولادتِ باسعادت مدینہ منورہ میں ایک روایت کے مطابق ۱۹ رمضان بروز جمعہ ۱۹۰ھ کو ہوئی جبکہ دوسری روایت کے مطابق ماہِ رجب ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد اور لقب تقی تھا۔

امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن ہی سے حق گو، جرأت مند اور بے باک تھے۔ حق بات کہتے کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ آپ بغداد کے ایک بازار میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھڑے تھے کہ خلیفہ وقت مامون الرشید کا وہاں سے گزر ہوا۔ بادشاہ کو دیکھ کر بچے بھاگ گئے مگر حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے رہے۔ خلیفہ نے قریب آ کر پوچھا آپ کیوں کھڑے ہیں جبکہ دوسرے بچے بھاگ گئے۔ آپ نے انتہائی جرأت مندی سے جواب دیا اے امیر المؤمنین! راستہ اتنا تنگ نہیں کہ جسے کشادہ کیا جائے اور نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے جو آپ کو دیکھ کر بھاگ جاؤں۔ خلیفہ وقت کو آپ کی یہ حق گوئی بہت پسند آئی اور آپ سے پوچھا بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا ' محمد'۔ خلیفہ نے پوچھا تمہارے باپ کا نام؟ جواب دیا حضرت امام علی رضا۔ یہ سن کر خلیفہ وقت خاموشی سے چلا گیا۔

جب آپ بڑے ہوئے تو مامون الرشید نے اپنی بیٹی اُم الفضل شمانہ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ آپ اپنی بیوی کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

جب خلیفہ مامون الرشید نے اپنی لڑکی کا نکاح آپ سے کر کے مدینہ کی جانب بھیجا تو آپ کوفہ میں چند روز رُک گئے۔ آخری یوم آپ ایک مسجد میں تشریف لے گئے جس میں بیری کا ایک سوکھا درخت تھا جو کبھی پھل نہیں دیتا تھا۔ آپ نے اس درخت کی جڑ کے پاس وضو فرمایا اور نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ درخت کے قریب سے گزرے تو دیکھا درخت پر بغیر گٹھلی کے پھل لگا ہوا ہے جو بہت میٹھا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۶ ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۲۶ ذی الحجہ ۲۲۱ھ میں ہوا آپ کا جائے مدفن بغداد ہے اور آپ کے دادا محترم حضرت سیّدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر کے عقب میں ہے۔ آپ کے دو فرزند اور چار بیٹیاں تھیں۔ آپ کے بیٹوں کے نام امام علی نقی اور موسیٰ برقع ہیں۔

دسویں امام سیّدنا حضرت علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیّدنا علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّدنا امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام اُم الفضل شمانہ تھا جو خلیفہ مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ آپ کا اسم گرامی علی اور لقب نقی تھا۔ ایک قول کے مطابق آپ کی ولادت 9 ذی الحجہ ۲۱۴ھ کو اور دوسرے قول کے مطابق ۱۳ رجب المرجب ۲۱۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ جید عالم دین تھے اور زہد و تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔ اس کے علاوہ انتہائی رحم دل اور امانتدار تھے۔ آپ مستجاب الدعوات اور اخلاص و اخلاق میں اپنی مثال آپ تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے خادموں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک خادم نے عرض کی حضور میرا بیٹا بے اولاد ہے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اولادِ نرینہ عطا فرمادے۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس بچے کا نام 'محمد' رکھنا۔ یہ معاملہ دیکھ کر ایک اور خادم بولا حضور میرے لئے بھی اولادِ نرینہ کی دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا بیٹی کئی بیٹوں سے بہتر ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا پہلے خادم کے یہاں لڑکا اور دوسرے کے یہاں لڑکی ہوئی۔

ایک مرتبہ امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی دعوت میں تھے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے ایک ایسا نوجوان بھی موجود تھا جو بہت کھل کھلا کر ہنستا تھا آپ نے اس سے فرمایا اے نوجوان! تم ہنسی میں اپنا وقت کیوں ضائع کر رہے ہے تم ذکرِ الٰہی سے غافل ہو چکے ہو۔ یاد رکھو تین روز کے بعد تم بھی اہلِ قبور میں اپنا گھر بنالوگے۔ یہ سن کر وہ شخص سہم گیا کھانا کھایا تو بیمار ہو گیا اور تیسرے دن اس کا انتقال ہو گیا۔

حضرت سیّدنا امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت ایک قول کے مطابق ۲۵۴ھ کو ہوئی۔ آپ نے ۴۲ سال عمر پائی۔ آپ کی قبر انور سومن وادی میں ہے۔ آپ کی بیوی کا نام حضرت سوسن یا حدیث تھا۔ آپکے چار بیٹے تھے جن کے نام حضرت سیّدنا امام حسن عسکری، حسین، محمد اور جعفر ثانی تھے۔

گیارھویں امام سیّدنا حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت سوسن تھا دوسرا نام حدیث بھی تھا۔ آپ کی ولادت ایک قول کے مطابق ماہِ ربیع الثانی ۲۳۲ھ کو اور دوسرے قول کے مطابق ماہِ رمضان ۲۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اسمِ گرامی حسن اور لقب عسکری تھا۔

آپ زیادہ تر وقت یادِ الٰہی میں گزارتے۔ پرہیزگاری اور زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ آپ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنے کیلئے آپ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ ذہن میں یہ بھی خیال تھا کہ چوتھے روز کے بخار کا علاج بھی دریافت کروں گا مگر اتفاقاً یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی اور میں نے خط میں اس بارے میں کچھ بھی نہ لکھا لیکن جب امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب آیا تو میرے سوال کا جواب دینے کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا، تم چوتھے دن کے بخار کا علاج پوچھنا چاہتے تھے مگر لکھنا بھول گئے۔ آیہ مبارک یٰنا رکونی بردا و سلا ما علی ابراھیم کاغذ پر لکھ کر بخار زدہ کے گلے میں باندھ دو، بحکمِ الٰہی آرام ہوگا۔ میں نے ان کے فرمان کے مطابق ایسا ہی کیا تو چوتھے دن کا بخار جاتا رہا۔ (شواہد النبوۃ)

ایک مرتبہ ایک غریب شخص آپ کے پاس آیا اور اپنی غربت کا رونا رونے لگا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا آپ نے اس سے زمین کو کھودا تو وہیں سے پانچ سو درہم کا سونا نکلا جو سب اس کو دے دیا۔

سیّدنا حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ماہِ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ آپ کا جائے مدفن سومن وادی میں آپ کے والد کے پہلو میں ہے۔ آپ کی بیوی کا نام نرجس تھا۔

بارھویں امام سیّدنا حضرت امام محمد مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حدیث کے مطابق آپ قربِ قیامت کے وقت دُنیا میں تشریف لائیں گے اور اہل زمین کے ظلم وستم کو عدل وانصاف سے تبدیل کردیں گے اور کفروشرک، بدعت وضلالت کا خاتمہ کرکے پرچم اسلام کو بلند کرینگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مہدی (موعود) کا نام میرے نام پر ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد گرامی کے نام پر ہوگا۔ (کنزالعمال)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، مہدی میری نسل سے ہوں گے جن کی پیشانی روشن اور ناک ستواں ہوگی۔ (بحوالہ برکات آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

علماء فرماتے ہیں کہ آپ کا ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوگا اس وقت پوری دنیا میں یہود ونصاریٰ کا غلبہ ہوگا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دنیا بھر میں کفار کا تسلط ہوگا تو اس وقت اہل ایمان اور اولیاء کرام اپنے اپنے شہروں کو چھوڑ کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ اس طرح خطہ اسلام صرف یہی دو مقدس شہر ہوں گے اور ساری دنیا کفرستان بن چکی ہوگی۔

رمضانُ المبارک کا مقدس مہینہ ہوگا۔ اہل ایمان واولیاء کرام خانہ کعبہ کا طواف کررہے ہونگے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی طوافِ کعبہ میں مصروف ہونگے کہ تمام اولیاء کرام انہیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی درخواست کرینگے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منع کریں گے پھر اچانک غیب سے ایک آواز بلند ہوگی:

هذا خليفة الله المهدي

یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔

اس طرح اہل ایمان آپ کے دستِ حق پر بیعت کریں گے اور وہاں سے آپ ایک لشکرِ اسلام لے کر ملک شام روانہ ہوں گے۔ اسلام دشمن یہود ونصاریٰ بھی اپنا لشکر جرار لے کر ملک شام میں جمع ہوجائیں گے۔ اس طرح دونوں فوجوں میں ایک عظیم جنگ شروع ہوگی اور چوتھے روز مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوگی۔ آپ کی خلافت آٹھ سال تک قائم رہے گی اسکے بعد آپ کا وصال ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔

مسلمانو! امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں چند حقائق آپ کے سامنے پیش کیے گئے ان حقائق کو جان لینے کے بعد یہ حقیقت بھی جان لیجئے کہ اب تک بعض کذاب امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرچکے ہیں جن میں سب سے زیادہ دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے آج سے سو سال پہلے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر بعد میں نبوت کا دعویدار بھی بن گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر دعویداروں میں آج تک کوئی ان صفات کا حامل نہیں ہوسکا جس کا ذکر حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں بتایا گیا کیونکہ امام مہدی کی زندگی جہاد سے وابستہ ہوگی جبکہ مرزا قادیانی کے نزدیک اسلام دشمن عیسائیوں سے جہاد کرنا جائز نہیں تھا۔ وہ جہاد کا مخالف تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق امام مہدی کا نام محمد اور والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے باپ کا نام یہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ المهدی مولده بالمدینة مہدی کی جائے وِلادت مدینہ طیبہ میں ہوگی۔ (علاماتِ امام مہدی، صفحہ ۲۴)

جبکہ مرزا غلام قادیانی ہندوستان کے شہر قادیان میں پیدا ہوا۔

حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر لوگ خانہ کعبہ میں بیعت کریں گے۔

جبکہ مرزا قادیانی کو یہ شرف حاصل نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں، وہ شخص ہماری نسل سے ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز ادا کریں گے۔ (علاماتِ امام مہدی، صفحہ ۲۲)

مگر کذاب مرزا قادیانی کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک دنیا میں تشریف نہیں لائے۔ آپ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دِمشق کی جامع مسجد میں عین نماز کے وقت آسمان سے نازل ہوں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمازِ جنازہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھائینگے۔ جبکہ مرزا قادیانی مر کر واصل جہنم ہوچکا ہے اور اس کا جنازہ انگریز نواز قادیانی نے پڑھایا۔

دعوتِ فکر

مسلمانو! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اہل ایمان کیلئے شرطِ اوّل ہے۔ آپ سے محبت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو بات آپ کو پسند ہو اسے پسند کیا جائے اور جس سے آپ کو نفرت ہو اسے نفرت سے دیکھا جائے۔ تمام اہل بیت اور صحابہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ لہٰذا جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوبوں سے بھی محبت کرنا ہوگی جو اہل بیت اور صحابہ کرام سے محبت نہ کرے وہ دعویٔ محبت میں جھوٹا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، میری محبت کے سبب میرے صحابہ سے محبت ہوگی اور میرے بغض کے سبب میرے صحابہ سے بغض ہوگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد سے یہ واضح ہو چکا کہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کے ہر صحابی سے بھی محبت کرے گا اور جو صحابہ سے محبت نہیں رکھتا اور ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ دراصل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغض اور حسد کی وجہ سے ان سے بھی حسد اور بغض رکھتا ہے بس جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغض اس کو صحابہ سے بغض اور جس کو صحابہ سے محبت اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، میرے صحابہ کی تعظیم کرو بیشک وہ تم میں سب سے بہتر ہیں۔ (مشکوٰۃ، ص ۵۵۴)

ایک اور موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم کسی کو میرے صحابہ پر سب وشتم (گالی گلوچ) کرتے دیکھو تو فوراً کہو تیرے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (ترمذی شریف)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والا اس لائق ہرگز نہیں کہ اس کی تعظیم کی جائے بلکہ اس پر لعنت کی جائے کہ تیرے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص میرے صحابہ کو گالی دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اس پر فرشتوں کی لعنت ہو، اس پر انسانوں کی لعنت ہو۔

معلوم ہوا! گستاخِ صحابہ دراصل دشمنِ خدا ہے جبھی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوئی بلکہ اس پر تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہوئی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

ابو بکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة

ابوبکر جنت میں، عمر جنت میں، عثمان جنت میں اور علی جنت میں ہیں۔ (ابن ماجہ، صفحہ ۱۳)

اس کے علاوہ مزید چھ صحابہ کے اور نام بیان فرمائے کہ وہ بھی جنتی ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم

میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے کسی ایک کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ستاروں کی مثل ہیں اور ستاروں سے رہنمائی اور ہدایت کے سوا اور کچھ نہیں ملتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی صحابی کی اقتداء کرنے سے ہدایت ملتی ہے گمراہی نہیں اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا انجام بدترین ہوتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی شان میں گستاخی کرنے کا بدترین انجام

حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی مردِ صالح کا قول بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ کوفہ میں ایک شخص رہا کرتا تھا ایک مرتبہ وہ ہمارے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔ دورانِ سفر وہ امیر المؤمنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا ہم نے اسے بہت سمجھایا مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہا۔ آخر ہم نے اس سے کہا کہ وہ اپنا سفر الگ کرے، وہ الگ ہو گیا۔ جب ہم سفر سے واپس ہوئے تو اس شخص کا غلام ہمیں راستے میں ملا۔ ہم نے غلام سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے آقا کا حال بہت برا ہے آپ چل کر ذرا اس کا حال دیکھ لیں۔ غلام ہمیں اس شخص کے پاس لے گیا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھ پر بہت بڑی مصیبت آپڑی ہے۔ پھر اس نے اپنی آستین سے دونوں ہاتھ باہر نکالے تو ہم نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خنزیر کے ہاتھوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ مردِ صالح فرماتے ہیں، ہمیں اس پر ترس آیا اور اپنے قافلے میں شامل کر لیا۔ دورانِ سفر راستے میں خنزیروں کا ایک جھنڈ نظر آیا یکایک وہ شخص مسخ ہو کر خنزیر میں تبدیل ہو گیا اور خنزیروں کے ساتھ دوڑنے لگا۔ ہم لوگ اس کے غلام اور اس کے سامان کو کوفہ لے آئے۔ (ملاحظہ کیجئے شواہد النبوۃ، صفحہ ۱۵۴ از امام عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی شان میں بے ادبی کرنے کا انجام

حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بزرگ کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ملک شام میں ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی جس نے نماز کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں بے ادبی کرتے ہوئے بددعا کی۔ دوسرے سال جب میں اسی مسجد میں نماز کیلئے آیا تو امام نے نماز کے بعد سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں دعا فرمائی۔ میں نے نمازیوں سے پوچھا کہ تمہارا پرانا امام کہاں ہے؟ وہ لوگ اپنے ہمراہ ایک مکان میں لے گئے جہاں ایک کتا بیٹھا ہوا تھا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لوگوں نے کہا یہ ہے وہ امام۔ میں نے کتے سے کہا کیا تم ہی وہ امام ہو جو سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں بددعا کرتے تھے کتے نے سر ہلا کر جواب دیا ہاں! (ملاحظہ کیجئے شواہد النبوۃ، صفحہ ۱۵۶ از امام عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی شان میں گستاخی کرنے کا انجام

حضرت قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ملک شام میں تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور چہرے کے بل زمین پر اوندھا پڑا ہوا ہے اور پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے ہائے افسوس میرے لئے جہنم ہے، ہائے افسوس میرے لئے جہنم ہے۔ میں نے اس سے جاکر پوچھا اے شخص تجھے کیوں اور کس وجہ سے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟ وہ شخص بولا، اے شخص میرا حال نہ پوچھ میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو امیر المؤمنین حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کرنے ان کے گھر میں گھسے تھے اور اس موقع پر میں نے حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیوی حضرت نائلہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ اس موقع پر حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو کاٹ ڈالے۔ تیری دونوں آنکھوں کو اندھی کردے اور تجھے جہنم میں جھونک دے۔ امیر المؤمنین کی ان قاہرانہ دعاؤں کی تاب میں نہ لاسکا اور وہاں سے لرزتا ہوا بھاگ گیا۔ اے شخص امیر المؤمنین کی چار دعاؤں میں سے تین دعاؤں کی زد میں آچکا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں اندھی ہوچکی ہیں۔ اب صرف چوتھی دعا یعنی جہنم میں داخل ہونا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھ یہ معاملہ بھی ہوکر رہے گا۔ چنانچہ اب میں اس کا انتظار کررہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کرکے اپنے جہنمی ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔

(ملاحظہ کیجئے ازالۃ الخفاء، جلد ۲ صفحہ ۲۷)

سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

کی شان میں گستاخی کرنے کا انجام

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات ارشاد فرمائی تو ایک بدنصیب نے نہایت بے باکی سے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ)۔ آپ نے فرمایا، اے شخص اگر میں سچا ہوں تو یقیناً تُو قہر الٰہی میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس گستاخ نے کہا آپ میرے لئے بددعا کرتے ہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس کے منہ سے ابھی یہ الفاظ ادا ہی ہوئے تھے کہ فوراً وہ قہر الٰہی کا شکار ہوا اور دونوں آنکھوں سے اندھا ہوگیا۔

مسلمانو! اولیائے کرام خواہ کتنے ہی بلند مرتبے پر ہوں لیکن کوئی ولی کسی ادنیٰ صحابہ کے مرتبے پر نہیں آسکتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان جو افسوسناک واقعات ہوئے ان واقعات کی روشنی میں کسی صحابی کی توہین کرنا حرام بلکہ سخت حرام ہے۔ مسلمانوں کو یہاں اپنی زبان کو خاموش رکھنے کا حکم ہے۔ سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگران کے ہمراہی صحابہ کو برا بھلا کہنا کسی بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں۔ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ جملہ صحابہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جان نثار اور سچے غلام اور قطعی جنتی ہیں اللہ تعالیٰ جملہ صحابہ سے راضی ہے۔ سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے اور مجتہد سے اجتہادی خطاء ہو بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ نہیں فرماتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جبکہ فلاں مسئلہ میں انہوں نے یوں کیا تو آپ نے فرمایا، انہوں نے ٹھیک کیا بیشک وہ فقیہ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

ذرا غور فرمایئے! حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مقدس اور رئیس المفسرین صحابی ہیں وہ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف بھی کررہے ہیں اور ان کو فقیہ اور مجتہد بھی مان رہے ہیں۔ جبکہ کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو ایک صحابی کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے اپنے نفس کی اتباع کرکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا حاکم بنایا اور آپ کے پورے دورِ خلافت میں وہ دمشق کے حاکم رہے۔ اور آپ کو معزول نہ کیا حالانکہ آپ شریعت کے معاملہ میں بڑے سخت تھے اور گورنروں کے حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ کے دور میں کسی حاکم سے ذرا سی غلطی ہوجاتی آپ اسے اس عہدے سے ہٹادیتے جیسا کہ معمولی شکایت پر اسلامی لشکر کے عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کردیا۔

ذرا غور فرمایئے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مقدس صحابی جن کا نام سن کر شیطان پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ آپ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آخری لمحات تک گورنر کے عہدے پر برقرار رکھنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا کھلا ثبوت ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گمراہی، فاسق اور جہنمی ہونے کا طعنہ زنی کرنے والا دراصل حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ پر بھی طعنہ کرنے والا ہے۔

ذرا سوچیئے! اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاسق، فاجر یا جہنمی تھے تو سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا (حسن) سیّد ہے میں اُمید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے اسلام کے دو بڑے گروہ میں صلاح کرادے۔ سیّدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کی خلافت میں کسی بھی طرح کی خامی نہ تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مقدس صحابی تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے اللہ! تو معاویہ کو کتاب (یعنی قرآن) اور حساب کا علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے بچا۔ (الناہیہ، صفحہ ۱۴)

ایک اور موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنادے یعنی ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنادے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے معاویہ! جب تم بادشاہ ہو جاؤ تو لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔
(تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۳۲)

ان ارشادات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ آپ کے فضائل بھی حدیثِ مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

ایک مرتبہ سیّدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور وقت کے امام حضرت عبداللہ مبارک سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ (ملاحظہ کیجئے الناہیہ، صفحہ ۱۶)

غور فرمایئے! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ وہ مقدس ہستی ہیں جن کو خلفائے راشدین میں پانچویں خلیفہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا مقام اور مرتبہ انتہائی بلند ہے۔ روایت میں ہے کہ ان کی زیارت کیلئے حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے مگر حضرت عبداللہ مبارک جیسے عظیم بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی مٹی بھی ان سے افضل بتارہے ہیں تو خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا۔ مگر افسوس آج بعض لوگ جو اہل بیت کی نام نہاد محبت کا دم بھرتے ہیں وہ ان کی شان میں کھلی گستاخیاں کرتے ہیں انہیں ایک صحابی کی عظمت کا ذرا بھی پاس نہیں۔

مسلمانو! بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ہزاروں مسلمان قتل ہوئے۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لیتے تو مسلمانوں کا اس قدر قتل نہ ہوتا اور مسلمانوں کو قتل کرنے والا جہنمی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جنگِ صفین ایک افسوس ناک واقعہ ہے اور مسلمان باہم قتل ہوئے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قتل کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں: پہلی صورت اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے تو یہ صورت کفر ہے اور کفر کرنے والا یقیناً جہنمی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان' مسلمان کو قتل کرنا حلال تو نہیں سمجھتا لیکن دنیاوی غرض اور جھگڑے کی وجہ سے اسے قتل کر دیتا ہے تو ایسا قتل کفر نہیں بلکہ گناہِ کبیرہ اور حرام تر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی اہل علم مسلمان اپنے اجتہادی فیصلے سے کسی مسلمان کو قتل کرے تو یہ صورت نہ کفر ہے نہ فسق۔ اگر مجتہد اپنے اس فیصلے میں غلطی بھی کر جائے تو اس سے مواخذہ نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں ایک مقدس صحابی تھے، وہاں وہ ایک مجتہد بھی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو جنگ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی اسی اجتہادی فیصلے کی وجہ سے کی۔ ورنہ یہ اعتراض اُم المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی آئے گا جنہوں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگِ جمل کی اور بڑی تعداد میں مسلمان باہم قتل ہوئے۔ جبکہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جنتی ہونا تو ایسا یقینی ہے جیسا جنت کا ہونا یقینی ہے۔ اُم المؤمنین کا جنتی ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ آپ جنت میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ ہوں گی۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ عظمتِ صحابہ کا خیال رکھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے باہمی اجتہادی اختلاف کو ہوا نہ دے۔ صحابہ کے معاملات میں دخل اندازی کرنا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، علی مجھ سے بہتر اور افضل ہے۔ میرا ان سے اختلاف صرف عثمان کے قصاص کے مسئلہ میں ہے اگر وہ خونِ عثمان کا قصاص لے لیں تو اہل شام سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلے میں ہوں گا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۷)

اسی طرح اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں برا سوچنا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں۔ آپ قطعی جنتی اور آخرت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ ہیں۔ آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا نکاح مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے ہوا اور دو ہجری کو آپ کا شانۂ نبوت میں آ گئیں۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہیتی اور محبوب بیوی ہیں۔ آپ پوری اُمتِ مسلمہ کی ماں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نہیں اُتری مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ نبوت کے بستر پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی اُترتی رہتی ہے۔ (بخاری، جلد اوّل صفحہ ۵۳۲)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام ازواج میں سب سے کم عمر تھیں لیکن علم و فضل، زہد و تقویٰ، سخاوت و شجاعت اور عبادت و ریاضت میں سب سے زیادہ تھیں۔

بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل پوچھا کرتے۔ نمازِ تہجد کی بے حد پابند تھیں۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کہیں سے ایک لاکھ دِرہم ان کے پاس آئے آپ نے اسی وقت ان سب کو راہِ خدا میں غریبوں میں خیرات کردیا۔ آپ کی شانِ اقدس میں قرآن مجید میں آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس قدر محبوب تھیں کہ آپ جنت میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ ہوں گی۔ آپ کا ۱۷ رمضان ۵۸ھ کو انتقال ہوا۔ آپ کا مزارِ اقدس مدینہ منورہ جنت البقیع میں ہے۔

مسلمانو! مذکورہ بالا واقعات سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ جو کوئی محبوبانِ خدا اور یارانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو وہ خدا کے قہر و غضب کا شکار ہوجاتا ہے۔ دنیا میں لعنتوں کی مار اور آخرت میں جہنم کی آگ اس کا مقدر بنادی جاتی ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شانِ اقدس میں گستاخی کا انجام کتنا خطرناک اور عبرتناک ہے جو لوگ ان مقدس ہستیوں کے بارے میں تبرا بازی اور گستاخی کرتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ایسے گستاخوں اور بے دِینوں کی بربادی کا سگنل ڈاؤن ہوچکا ہے اور وہ جس پٹری پر چل رہے ہیں عنقریب غضبِ الٰہی کی ریل گاڑی ان گستاخانِ صحابہ کو روند ڈالے گی اور ان پر پڑنے والی فرشتوں کی لعنتیں انہیں گرفتار کرکے خنزیر اور کتا بنادے گی اور مرنے کے بعد آخرت میں خدا کے غضب کا شکار ہوکر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اُمتِ مسلمہ کو چاہئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں گستاخی کرنے والوں اور نام نہاد اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے والوں سے دُور رہیں کیونکہ ایسے گستاخوں اور بے دینوں پر ہر گھڑی فرشتوں کی لعنت اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی رہتی ہے۔ لہٰذا جو ان کے پاس بیٹھے گا یا جو ان سے میل جول رکھے گا ان پر اُترنے والی پھٹکار اور لعنت کا کچھ حصہ اس کو بھی ملتا رہے گا۔

مسلمانو! زمانے کے انقلاب اور وقت کے دھاروں نے آج اُمتِ مسلمہ کو ایسے دوراہے پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ موجودہ عالمی سیاست پر اسلام دشمن قوتوں کی سازشیں اہل اسلام کیلئے مسلسل خطرہ بنی ہوئی ہیں۔ آج اسلام دشمن اسلام کی صحیح روایات اور دین کے سچے نظریات کو ختم کر کے ایک جدید اور ماڈرن مذہب مسلمانوں پر اسلام کے نام سے تھوپنا چاہتے ہیں جو اپنے خودساختہ اور من گھڑت اعتقاد اہل اسلام پر مسلط کر کے انہیں گمراہی اور بے دینی کے غاروں میں دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ اے شمع رسالت کے پروانو! اے صحابہ کرام کے دیوانو! اے اہل بیت اطہار کے چاہنے والو! اُٹھو اور اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کو ناکام بنادو۔ ان کی سازشوں سے بچو۔ اپنے ایمان کو مضبوط کرو۔ اگر دولتِ ایمان کو ضائع کر دیا تو آخرت میں خسارے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مسلمانو! تاریخ اسلام کے جھروکوں میں اگر جھانک کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام دشمن یہود و نصاریٰ کے ناپاک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے شروع ہی سے دین فروش لوگ میدانِ عمل میں کود پڑے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے دینی عقائد کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کے دِلوں سے اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ختم کرنے کیلئے یہودی عبداللہ ابن سباء کے منصوبوں پر عمل کیا اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنا چاہا جس میں وہ کسی حد تک کامیاب ہوئے۔

آج اُمتِ مسلماں کو اتحاد کی جتنی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہو اور یہ اتحاد اسی وقت قائم ہوسکتا ہے کہ جب تمام مسلمان ایک نظریے پر قائم ہوں۔ اہل بیت سے محبت رکھنے والا ہی حقیقت میں اللہ اور اس کے پیارے رسول کا پیارا ہے اور جو اہل بیت سے محبت رکھے گا یقیناً وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ سے بھی محبت رکھے گا۔ یہ دونوں مقدس گروہ ہر مسلمان کیلئے قابل تعظیم ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اہل بیت کی سچی محبت، صحابہ کرام کی عقیدت اور اُمتِ مسلمہ کو اتحاد نصیب فرمائے۔ شرپسند عناصر کے شر سے محفوظ فرمائے اور جو حقائق اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں اس کے مطابق ہر اچھی اور جائز بات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

تاریخ اشاعت

یکم جنوری 2003